ہادیِ اعظم ﷺ

ہجرت اور اس کے بعد

حصہ دوم

ابو خالد

ایم، اے

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہجرت اور اس کے بعد

...اور بوقبیس کی چوٹیاں اس باعزم نبی کو دور سے تکتی رہیں

ہم جہاں پیدا ہوتے ہیں پلتے بڑھتے ہیں، اس جگہ سے ہم کو قدرتی طور پر لگاؤ ہوتا ہے۔ مکے کی وادیاں جن میں آپؐ نے بچپن میں بکریاں چرائی تھیں، دنیا میں خدا کا سب سے پہلا گھر کعبہ جس کے دیواروں کی مرمت کے لیے بہت چھوٹی سی عمر میں آپؐ نے اپنے بوڑھوں کے ساتھ پتھر ڈھوئے۔ کوہِ صفا جس کی پشت پر کھڑے ہو کر آپؐ نے پہلی بار اپنی قوم کو سچائی اور نیکی کی طرف پکارا۔ وہ گلیاں جن میں آپؐ صبح وشام اس دھن میں پھرا کرتے کہ اپنے ہم وطنوں کو گمراہی کے اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لے آئیں۔ شفیق ومہربان دادا، پیارے چچا اور وفادار بیوی سب ہی تو اس سرزمین میں سپردِ خاک تھے۔ بچپن، جوانی اور نبی ہونے کے بعد شعب ابی طالب میں بیتے ہوئے دنوں کی وہ خدمت جس کا اندازہ کچھ اسی کو ہوسکتا ہے، جس کے دل میں دین پھیلانے اور اللہ کا نام اونچا کرنے کی لگن ہو۔ حق کی راہ میں جھیلی ہوئی ایک ایک آزمائش، دکھ اور سکھ سب ہی یاد آیا۔ اس شہر کی جانب دل کھنچا جاتا تھا جو روئے زمین پر سب شہروں سے زیادہ عزیز تھا، لیکن قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ اپنا فرض ادا کرنے کی لگن، اللہ کا دین پھیلانے کی آرزو یہ امید کہ مدینے میں کچھ ساتھی مل گئے ہیں، جو اس کام کو آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

اللہ کا حکم بجالانے کی خواہش ہر یاد پر غالب آگئی، ہر محبت پر چھا گئی۔ بوقبیس کی چوٹیاں اس باعزم نبی کو دور سے تکتی رہیں اور وہ آگے بڑھتا گیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

دوشنبہ ۸ / ربیع الاول (۲۰ / ستمبر ۶۲۲) کو آپؐ قبا پہنچے۔ دوشنبہ سے جمعہ تک چار دن آپؐ نے وہاں قیام کیا۔ ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اللہ پاک نے قرآن میں اس مسجد کا ذکر فرمایا

ہے۔ اس کی بنیاد نیکی اور پرہیزگاری کے جذبات پر رکھی گئی تھی۔ جی چاہتا ہے ایک بار اس کو دیکھتے، اس میں نماز پڑھتے۔

وہاں سے آگے بڑھے۔ راہ میں ایک وادی تھی۔ قبا اور مدینے کے ٹھیک بیچوں بیچ یہاں جمعہ کی نماز پڑھی۔ جمعہ کی یہ پہلی نماز تھی۔ اس میں سو آدمی شریک ہوئے۔ نماز سے پہلے آپؐ نے خطبہ دیا۔ مشرکین مکہ نے ایک سچی بات کہنے کے جرم میں زندگی دوبھر کر دی تھی، خون کے پیاسے تھے۔ کوئی اور ہوتا اپنے نئے ساتھیوں کو یہ دکھ بھری داستان ضرور سناتا۔ مگر سرورِ عالمؐ نے کیا کچھ نہ کیا زندگی میں نیک بننے کی تلقین کی۔ آخرت کی جواب دہی سے ڈرایا، اللہ کا حکم ماننے، خود اچھا بننے، دوسروں کو اچھا بنانے کی ترغیب دی۔ اپنے جانی دشمنوں اور نیکی کی راہ میں روڑا اٹکانے والوں کو کچھ نہ کہا۔ آپؐ کی باتوں میں نہ شعب ابی طالب کا ذکر آیا، نہ طائف کی گلیوں کا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔ ''آپؐ بڑے اخلاق والے ہیں۔''

مدینے میں

چوتھے دن آگے بڑھے، مدینے کے مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بچے سب ہی کو آپؐ کا انتظار تھا۔ آنکھیں راستے پر لگی ہوئی تھیں۔ زندگی کا جو نقشہ ان کے دماغ میں تھا۔ اس میں رنگ بھرنے والا، اللہ کا سچا پیغمبر، دنیا کو امن و اطمینان کی نئی ڈگر پر ڈالنے والا خدا کا برگزیدہ رسولؐ ان کے درمیان آنے والا تھا وہ ہمہ تن چشمِ انتظار تھے۔

آخر کار ایک طرف سے غبار اٹھا۔ ایک شتر سوار کا غبار آلود چہرہ آہستہ آہستہ اُفق پر ابھرنا شروع ہوا۔۔۔ پھر مشرکین مکہ کا ستایا ہوا ہادیِ برحق اور اس کا رفیق طریق صدیقؓ اپنے غلام کو اپنی اونٹنی پر بٹھلائے ہوئے، چار آدمیوں کا یہ مختصر قافلہ جس کے تاریخی سفر نے دنیا کی قسمت بدل دی، فضا میں بلند ہونے والے غبار کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ خوشی کے جوش سے لوگوں کے چہرے چمک اٹھے۔ پوری بستی میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ہر دروازہ چشمِ اشتیاق بن کر کھلا ہوا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں اپنی پیاری آواز اور پیار کے لہجے میں ان اشعار سے آپ کا خیر مقدم کر رہی تھیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

بچے تھے گھروں میں حد سے سوا | مسرور لبوں پر تھی یہ صدا
نجّار کے ہم بچے ہیں خوشا | ہے اوج پہ اپنا تخت رسا
گھاٹی سے نکل کر خوب ہوا | ہے بدرِ رسالت جلوہ نما
ہمسایہ ہوئے محبوبِ خدا | ماں باپ ہمارے ان پہ فدا
ہم پر ہے ضروری شکرِ خدا | جب تک کہ ہیں داعی اور دعا

(عزیزالدین سالک)

اسلام کا ہادیؐ اس مقام پر پہنچ گیا، جہاں سے اس کے پیغام کو دنیا کی وسعتوں میں پھیلنا تھا۔

مکے سے آپؐ پنجشنبہ یکم ربیع الاول کو روانہ ہوئے۔ دوشنبہ ۱۲/ربیع الاول کو دن میں مدینے پہنچے (۲۴/ستمبر۶۲۲) آپ کی عمر اس وقت تقریباً ۵۳ سال تھی۔

جنھیں نسل وخاندان نے صدیوں سے بانٹ رکھا تھا

مدینے کا پرانا نام یثرب ہے۔ یہاں عربوں کے دو قبیلے رہتے تھے ایک کا نام تھا اوس، دوسرے کا خزرج۔ ان میں ہمیشہ لڑائی رہا کرتی تھی۔ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر۔ اسلام سے پہلے سب ہی عربوں کا یہ حال تھا۔ کسی نے اپنے باپ دادا کی تعریف کر دی، دوسرا جھگڑ پڑا۔ کسی کا گھوڑا دوسرے کے گھوڑے سے آگے نکل گیا لڑائی چھڑ گئی۔ کسی کی اونٹنی دوسرے کے کھیت میں پڑ گئی، تلواریں نیام سے نکل آئیں۔ یہ دونوں قبیلے بھی سینکڑوں سال سے جھگڑتے چلے آرہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے، ان میں بہت بڑی لڑائی ہو چکی تھی۔ نسل وخاندان کی خاطر کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں کتنے بچے یتیم ہو گئے۔

ہجرت سے کچھ پہلے ان میں سے چند لوگ مکے میں آپؐ سے ملے۔ اللہ کا دین ان کو اچھا معلوم ہوا۔ مسلمان ہو گئے۔ پھر دوسرے سال اور آئے۔ رات کا سنّاٹا تھا۔ صفا پہاڑ کی تلی میں، ارقمؓ کے مکان کے پاس یہ لوگ آپؐ سے ملے۔ سرورِ عالمؐ آپ ہمارے یہاں تشریف لے چلیں۔ ہمیں اچھی باتیں بتلائیں۔ آپؐ سے سیکھ کر ہم دوسروں کو سکھلائیں گے۔ دین پھیلائیں گے۔

مدینے پہنچے تو پہلے آپ نے ان لوگوں سے فرمایا۔ بھئی خاندان واندان کچھ نہیں نہ تم اوس ہو، نہ یہ خزرج تم سب ہو انصار۔ مدد کرنے والے، دین پھیلانے والے، اپنی اور سارے

انسانوں کی سدھار میں میرا ساتھ دینے کا تم نے اقرار کیا ہے۔ تم آج سے انصار کہلاؤ گے۔ تم سب بھائی بھائی ہو۔ سب مسلمان بھائی ہیں۔ اللہ کے دین نے ان کو قیامت تک کے لیے جوڑ دیا۔

پڑوسیوں سے صلح وصفائی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام تم نے سنا ہی ہے ان پر تورات نازل ہوئی تھی۔ تورات اللہ کی کتاب تھی۔ یہود نے اپنی بدبختی سے ان میں ادل بدل کر دیا۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں تھے۔ مدینے میں یہ بھی آباد تھے۔ ہمیشہ سے مہاجنی کا پیشہ کرتے تھے۔ اس زمانے میں بھی ان کا یہی کاروبار تھا۔ انصار کھیتی باڑی کرتے۔ قرض ادھار کی ضرورت پڑتی تو یہودیوں کے پاس جاتے۔ یہ لوگ بلا سود قرض نہ دیتے تھے، انسانی ہمدردی نام کو نہ تھی۔ سود تو فساد کی جڑ ہے ہی آئے دن جھگڑے بکھیڑے ہوتے رہتے۔

آپ ؐ نے یہودیوں اور آس پاس کے عرب قبائل سے ایک معاہدہ کیا۔ ساری شرطیں لکھ لی گئیں۔ شرطیں یہ تھیں:

۱- یہودی اپنے دین پر رہیں گے، مسلمان اپنے دین پر۔
۲- معاہدے میں جو لوگ شامل ہیں ان میں سے کسی پر ظلم ہوگا تو باقی لوگ اس کی مدد کریں گے۔
۳- ظلم وزیادتی میں ساتھ نہ دیا جائے گا خواہ وہ کسی کی جانب سے ہو۔
۴- ذریعۂ معاش مشترک نہ ہوگا۔ یہودی اپنے طور پر کاروبار کریں گے، مسلمان اپنے اصول پر روزی کمائیں گے۔
۵- اختلافی معاملات میں آخری فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کا ہوگا۔ اس کو سب مانیں گے۔
۶- مشرکین مکہ اور ان کے حامیوں کو پناہ نہ دی جائے گی۔ مدینے پر حملہ ہوا تو یہود مسلمانوں کے دوش بدوش صف بستہ ہوں گے۔
۷- صلح نامے میں یہودیوں کو بھی شامل رکھا جائے گا۔

آپ ؐ چاہتے تھے پڑوسیوں کے ساتھ جھگڑے بکھیڑے ختم ہو جائیں۔ مسلمان اللہ کے دین پر چلیں۔ اچھائی بھلائی سے رہیں۔ پڑوسی بھی اچھی باتیں سیکھیں۔ مدینے پر حملہ ہو تو بچاؤ اچھی طرح ہو سکے۔

اصول اور عقیدے کی بنیاد پر اُبھرنے والی پہلی انسانی برادری

آپ کی ہجرت سے پہلے مسلمان مدینہ آنے شروع ہو گئے تھے آپؐ کے تشریف لانے کے بعد تو ان کا تانتا بندھ گیا۔ گھر بار چھٹتا۔ گھر بھر کی گرہستی اور گاڑھے پسینے کی کمائی بھی چھن جاتی۔ مگر ان اللہ کے بندوں کو ایمان اتنا عزیز تھا کہ اس کے مقابلے میں ہر پونجی حقیر نظر آتی۔ عزیزوں، رشتے داروں کی پرواہ نہ تھی، نہ گھر بار اور وطن کی۔ اللہ کے حکم پر چلنے اور اسی کے مطابق زندگی کو ڈھالنے کا پختہ ارادہ انھیں کھینچے لیے جا رہا تھا۔ یہ دولت کے لیے مدینے جا رہے تھے نہ عزت و شہرت کی خاطر۔ ان کو تو بس دین پھیلانے کی دھن لیے جا رہی تھی۔

ایسے بھی تھے جو مشرکین کے پنجے میں گرفتار تھے۔ اللہ کی راہ میں دکھ جھیلتے، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ اس سچائی کی گواہی دیتے تھے۔ جس پر آسمان و زمین اور اس کائنات کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے۔ ہر گھڑی ان کے دل سے یہ صدا بلند ہوتی ــــ ''اے مالک ہمیں اس بستی سے نکال۔ یہاں کے لوگ بڑے سنگ دل اور ظالم ہیں۔''

مدینے میں پانچ ماہ قیام کے بعد آپؐ نے انصار اور مہاجرین کا ''بھائی چارہ'' کرادیا۔ آپؐ ایک مہاجر اور ایک انصاری کا ہاتھ پکڑتے اور ملاتے، ساتھ ہی فرماتے جاتے۔ تم دونوں بھائی ہو۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

گھر بار چھٹنے کا بوجھ دل پر سے ہلکا ہوا۔ ہمدردی بڑھی۔ ایک کو دوسرے سے طاقت ملی۔ اس انسانی برادری کی بنیاد پڑی، جو خاندان، وطن، مشترک فائدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ اصول اور عقیدے کے اتحاد پر ابھرتی اور قائم ہوتی ہے۔

خاندان والوں نے زندگی مشکل کر دی۔ جان کے درپے ہو گئے۔ گھر سے بے گھر کیا۔ مال و دولت ہی کے بھوکے نہیں، خون کے پیاسے بن گئے ــــ اور ان بھائیوں نے جائدادیں بانٹ دیں۔ گھر تقسیم کر دیے۔ کھانا کم ہوتا تو چراغ گل کر دیتے، خود نہ کھاتے، ان پردیسی بھائیوں کو کھلا دیتے۔ پھر اس سب سے بڑھ کر تھی وہ سچی اور گہری محبت، وہ انسانی جذبۂ ہمدردی، وہ ایثار، جس کی مثال دنیا کی کسی جماعت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ اس دین کا کارنامہ تھا جو ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے آیا ہے۔

اس طرح جن لوگوں میں بھائی چارہ کرایا گیا۔ ان کی تعداد سو تھی، آدھے مہاجر اور

آدھے انصار۔ پہلے تو مرنے کے بعد چھوڑی ہوئی جائداد میں بھی یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ بعد میں ممانعت آ گئی اور یہ طریقہ بند ہو گیا۔

بدر کے میدان میں حق و باطل کا پہلا معرکہ

قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام گیا ہوا تھا تاکہ وہاں سے ہتھیار اور رسد حاصل کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔ ابوسفیان اس کے سردار تھے۔ خبر ملی مدینے سے نکل کر مسلمان اس کو لوٹنے والے ہیں۔ تم نے ان کو نوچ کھسوٹ کر گھر سے نکالا تھا۔ اب کسر نکلے گی۔ بہت گھبرائے، بے حد غصہ ہوئے، مکے والے بپھر گئے، بڑی بھاری فوج لے کر نکلے۔ کوئی ایک ہزار آدمی تھے، جو خود نہ جا سکا اس نے اپنے بدلے کا آدمی بھیجا۔ سات سو پیدل اور سوار زرہ بکتر سے لیس، لوہے میں ڈوبے ہوئے۔ سو گھوڑے سات سو اونٹ، معلوم ہوتا تھا زلزلہ آ گیا ہے۔

کفر کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا آگے بڑھا

آندھی طوفان کی طرح آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے، لونڈیاں اور گانے والیاں بھی ساتھ تھیں۔ گانے گیا تھے۔ کافروں کی تعریف، گھمنڈ اور غرور کی باتیں۔ اللہ کے دین اور مسلمانوں کی برائی۔ ابھی راہ ہی میں تھے کہ اطلاع ملی۔ کاروانِ تجارت بچ کر نکل گیا۔ حملہ نہیں ہوا۔ واپس چلو، مگر ابوجہل تو اپنے نام کا سچا تھا، وہ کب مانتا۔ سر میں سودا سمایا ہوا تھا، موت سر پر منڈلا رہی تھی۔ بولا، ہم اب نہ لوٹیں گے، بدر کے میدان میں ڈیرے ڈال کر جشن منائیں گے۔ گانا بجانا ہوگا، دعوتیں رہیں گی۔ سارے عرب پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ مسلمانوں کی کیا ہمت جو ہم پر حملہ کریں۔ ہم تو ان کی بستی کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔

پھر بھی کچھ لوگ واپس گئے، ابوجہل پر بہت خفا ہوئے، آگے نہ بڑھے۔

مدافعت کے لیے مشورے

آپؐ نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا۔ آپؐ ہر کام مشورے سے کرتے تھے۔ ویسے تو آخری فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے۔ لوگ اکٹھا ہوئے۔ آپؐ نے مہاجرین کی طرف دیکھا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''اللہ کا حکم بجا لانے میں تاخیر نہ فرمایئے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں، ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح جواب نہ دیں گے۔ اس ذاتِ برحق کی قسم جس نے

آپ کو نبی بنا کر بھیجا۔ اگر آپ دنیا کے دوسرے کنارے تک جنگ کرتے ہوئے تشریف لے جائیں گے تو بھی ہم آپؐ کے ساتھ ہوں گے۔"

اب آپ نے انصار کی جانب رخ کیا۔ انھوں نے مدینے کے اندر حمایت پر بیعت کی تھی۔ یہ معاملہ بستی کے باہر کا تھا۔ سعد بن معاذؓ انصاری اٹھے۔ انھوں نے کہا "اے اللہ کے رسول! آپ پر درود و سلام۔ شاید آپ کا روئے سخن ہماری جانب ہے۔ ہم ان صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو آپؐ لائے ہیں۔ آپؐ کو سچا جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس دین کی سچائیوں پر گواہ بھی ہیں۔ آپؐ کے حکم پر چلنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ آپؐ کا جو ارادہ ہو کر گزریے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں، آپؐ ہمیں سمندر میں کودنے کا بھی حکم دیں گے تو ہم کو تامل نہ ہوگا۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم دشمن کا سامنا کرنے سے نہیں گھبراتے۔ ہم جم کر لڑنے والے ہیں، ہمارا وار جھوٹا نہیں ہوا، شاید اللہ ہم سے وہ طرزِ عمل آپ کو دکھلا دے کہ آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔ اللہ کی برکت آپ کے جلوں میں ہے۔ روانگی کا قصد فرمائیے۔"

آپؐ اس تقریر سے بہت مسرور ہوئے۔ پھر فرمایا ـــــ "اچھا چلو اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کافروں کی شکست کا منظر میری نگاہوں میں ہے۔"

ایک طرف ناچ گانا اور مے خواری

بدر کے میدان میں آخری کنارے پر قریش کی فوج آ کر ٹھہری۔ اس نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان جس حصے میں تھے، وہاں یہ حال تھا کہ ریت میں پاؤں دھنستے تھے۔ آدمیوں اور جانوروں کو چلنا مشکل تھا۔ اللہ کی رحمت پانی برس گیا، اب کیا تھا پانی ہی پانی ہو گیا۔ لوگوں نے حوض بنا لیے۔ وضو کے لیے اور پینے کے لیے پانی کی کمی نہ رہی، زمین سخت ہو گئی۔ آسانی سے ادھر ادھر چل سکتے تھے ـــــ کافر پریشانی میں پڑ گئے، چلتے تو پیر پھسلتا، آغاز اچھا تھا، انجام خراب ہوا۔

رات بھر کافروں نے جشن منایا۔ گانے سنے۔ شراب پی۔ سمجھتے تھے ہمارے ٹڈی دل کے سامنے یہ نہتے مسلمان کیا ٹھہریں گے۔ قوت کے نشے میں چور تھے اپنے خالق اور مالک کو بھولے ہوئے تھے۔

دوسری جانب خدا کی بارگاہ میں عجز و التجا

دوسری جانب اللہ کا سچا پیغمبر اللہ کے حضور سجدے میں پڑا تھا۔ اسے پکار رہا تھا۔ "اے حی و

قیوم! اے حی و قیوم۔‘‘ اسی حال میں صبح ہوگئی۔ اس نے ساری رات اپنے مالک کی بارگاہ میں گڑگڑا کر التجا کر کے آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح ہوئی، ساتھیوں کو نماز کے لیے اکٹھا کیا۔ نماز پڑھی، لوگوں کو اللہ کی راہ میں جان دینے کی قدر و قیمت بتلائی۔ یہ لڑائی ملک و دولت کے لیے نہیں خاندان، قبیلے اور نام و نمود کی خاطر نہیں، یہ لڑائی حق کے لیے ہے حق کی راہ میں جان دینا مردوں کا کام ہے۔

حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ نے ایک اونچی سی سایہ دار جگہ بنا دی تھی۔ یہاں سے آپ پورے میدان کو دیکھ سکتے تھے۔ یہیں سے لڑائی کے دوران ساتھیوں کو ہدایت دیتے رہے۔ ایسی اونچی سی جگہ کو عربی میں ’’عریش‘‘ کہتے ہیں جہاں آج کل بدر کی مسجد بنی ہوئی ہے۔ اسی کے پاس یہ عریش بھی تھا۔

حق و باطل ایک دوسرے کے مقابل

آپ نے صفیں سیدھی کیں۔ تین سو تیرہ آدمی، ستر اونٹ، دو گھوڑے، حق پرستوں کی اس بے سر و ساماں اور نہتی فوج کے مقابل زرہ بکتر کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ کافر اپنی کثرتِ تعداد پر پھولے ہوئے تھے۔ انھیں اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا۔ وہ اپنی ناک اونچی رکھنے اور عرب قبائل پر اپنی عظمت کا سکہ بٹھلانے آئے تھے اور مسلمان اس معرکے میں اترے تھے، اپنے یقین کی قیمت ادا کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول سے انھوں نے عہد کیا تھا۔ جان دے کر اس کو پورا کرنے کے واسطے۔ ریت کے ایک ایک ذرّے پر اپنے خون سے شہادتِ حق کی تحریر چھوڑ جانے کی خاطر، ان کو اپنی طاقت کا زعم نہ تھا۔ طاقت کہاں تھی۔ انھیں اپنی تعداد پر گھمنڈ نہ تھا۔ وہ تو بہت تھوڑے تھے۔ وہ نسل و خاندان کی برتری کے لیے لڑنے نہ آئے تھے ان چیزوں سے ان کا رشتہ اس دن کٹ چکا تھا، جب انھوں نے اللہ سے رشتہ جوڑا۔ ان کا خاندان، ان کا دین تھا۔ ان کی عزت اللہ کے دین کی عزت تھی۔ خدا کی مدد کے بھروسے، اس کے رسول کے حکم پر، اسی کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگانے نکلے تھے۔ کوئی جاہ و جلال ان کی نگاہ میں نہ جچتا تھا۔ انسانوں کا خوف مدت ہوئی ان کے دل سے نکل چکا تھا۔ وہ اللہ سے ڈر کر ساری دنیا سے نڈر ہو گئے تھے۔

اس دن عمیر ابن وہب نامی ایک شخص نے گھوڑے پر بیٹھ کر میدان جنگ کا چکر لگایا۔ پھر اپنی فوج میں آ کر ساتھیوں سے بولا ــــ ’’یارو تمھیں خبر ہے تمھارے سامنے ہلاکت صف بستہ ہے۔ یہ یثرب والے مرگِ آتشیں کے جلو میں آئے ہیں۔ انھیں دیکھو کیسے خاموش ہیں۔ سانپ کی طرح

اندر ہی اندر بل کھا رہے ہیں۔ اہل وعیال کی ان کو فکر ہے نہ گھر بار کی۔ ان کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے ہیں اور یہ حال تب ہے جب کہ بالکل نہتے ہیں۔ بدن پر زرہ ہے نہ سر پر خود ومغفر۔

اس نے غلط نہیں کہا۔ اس دن اللہ کے ان فدا کار بندوں کو موت زندگی سے زیادہ شیریں معلوم ہو رہی تھی۔ جان دے کر جنت کا سودا کرنے والوں کے تیور یہی ہوتے ہیں۔

آپؐ نے صفوں کو درست کیا۔ فولاد کا سمندر موجیں مارتا ہوا آگے بڑھا۔ کافروں کی فوج اور قریب آگئی۔ آپؐ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا ــــــ "بارالہا قریش کے یہ لوگ کبر و غرور میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ تیرے دشمن ہیں انھوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا ہے۔ ایزدِ پاک تو نے مجھ سے مدد کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا کر۔"

جنگ کی گرما گرمی

عرب کے قاعدے کے مطابق ایک ایک کر کے لڑائی ہوئی اور پھر تھوڑی دیر میں ایک فوج دوسرے سے گتھ گئی۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ اس زور سے ہنگامے کے درمیان ایک تیز و تند آندھی نے سارے ریگ زار کو لپیٹ لیا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ ہوئی۔

انجام

۱۷ رمضان المبارک (۱۳ مارچ ۶۲۴ء) دوشنبہ کی صبح کو لڑائی شروع ہوئی اور دوپہر نہ ہونے پائی تھی کہ قریش کی بھاری فوج ریت کے ذرّوں کی طرح بکھر گئی۔ کافروں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، سب ہی کھیت رہے۔ کوئی ستر آدمی مارے گئے۔ اتنے ہی قید ہوئے۔ باقی جو بچے سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ مڑ کے نہ دیکھا ساتھی کس حال میں ہیں۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد آپؐ نے لاشوں کے دفن ہونے کا انتظار فرمایا۔ مسلمانوں کی لاشیں کم تھیں۔ انھیں ریت میں دفن کر دیا گیا۔ کافر بہت مارے گئے۔ ان کی لاشیں ایک گڑھے میں دبا دی گئیں۔ یہ لڑائی میں آپؐ کا دستور تھا۔

قیدیوں کے ساتھ برتاؤ

مدینے پہنچ کر قیدیوں کو سب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ آپؐ نے نصیحت فرمائی۔ ان لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ اس رات سب قیدی اکٹھے ہی تھے۔ ابھی تقسیم نہیں ہوئے تھے۔ آپؐ

کے چچا عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ انھیں کسی نے بہت کس کر باندھا تھا۔ بندش کی تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ ان کی آواز سن کر رحمت عالمؐ کو نیند نہ آئی۔ رات گئے تک جاگتے رہے۔ کسی نے دریافت کیا تو فرمایا۔۔۔۔ ''چچا کراہ رہے ہیں۔ تکلیف ہے۔'' انھوں نے جا کر بند ڈھیلے کر دیے۔ آپؐ نے کہا ''تو پھر سب کی گرہیں یکساں کر دو۔'' قیدیوں میں سے ابوعزیز نامی ایک شخص ایک انصاری خاندان کے حصے میں پڑا۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔۔۔۔ ''ان لوگوں کو نبیؐ کی ہدایت کا اتنا خیال تھا کہ صبح کا کھانا ہو یا رات کا مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجوریں کھاتے رہتے۔ روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی مل جاتا تو میرے پاس لے کر دوڑے آتے۔ میں ہزار انکار کرتا مجھے بڑی شرم معلوم ہوتی تھی مگر یہ نہیں مانتے۔''

ان قیدیوں کو بعد میں معاوضے کی رقم لے کر چھوڑ دیا گیا۔ کچھ لوگ یہ رقم ادا نہ کر سکے تھے ان کے لیے یہ سہولت بہم پہنچائی گئی کہ دس مسلمانوں کو لکھنا سکھلا دیں، چھوڑ دیے جائیں گے۔

ایسے لوگوں کو ہارنا ہی چاہیے

کافروں کو اپنی تعداد اور طاقت پر گھمنڈ تھا۔ اس رات کو جس کی صبح ان کے لیے شکست اور موت کا پیغام لائی، شراب پینے اور ناچ گانے میں مشغول تھے۔ ان میں اختلاف تھا۔ کچھ لوگ تو صرف اس لیے لڑ رہے تھے کہ ان کی قوم کے لوگ ان کو بزدل نہ کہیں۔ اندر سے ان کا دل نہ کہتا تھا۔ ایسی ایک مثال عتبہ کی تھی۔ وہ کسی اصول کی خاطر نبرد آزما نہ تھے۔ اللہ اور اس کے رسول کی دشمنی میں آمادہ فساد تھے۔ وہ مرنے کے بعد کسی زندگی کے قائل نہ تھے۔ موت کو زندگی کی راحتوں کا خاتمہ کہتے تھے، اس لیے موت کا خوف ان کے دل میں سمایا ہوا تھا۔ وہ ایمان کی دولت سے محروم تھے ان کو نہ اپنے اوپر بھروسا تھا نہ کسی غیبی طاقت پر۔ ان اندرونی کمزوریوں کے ساتھ جو فوج میدان میں آئے گی اس کے انجام کا فیصلہ زیادہ غور و فکر کا محتاج نہیں۔

کثرتِ تعداد نہیں اللہ کی مدد فتح کی ضمانت ہے

جو موت سے آنکھیں ملانے کی جرأت رکھتا ہو اس سے لڑنا اور جیت جانا آسان نہیں۔ مسلمان مرنے سے نہ ڈرتے تھے۔ ہار ہو یا جیت انھیں جنگ کے دونوں پہلوؤں کے بارے میں پختہ یقین تھا۔ وہ اپنے نبی کو سچا جانتے تھے۔ سرور عالم ﷺ کے فرمانے کے بعد کہ ''میں کافروں کی شکست کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں'' انھیں لڑائی کے انجام کے بارے

میں کوئی شبہ نہ تھا۔ پھر عین لڑائی میں وحی الٰہی کے یہ الفاظ جناب رسالت مآب کی زبان مبارک پر جاری تھے۔ ''یہ گروہ ہارے گا اور پیٹھ دکھا کر بھاگے گا۔'' انھیں کلامِ الٰہی پر یقین تھا وہ ہر ذہنی خلش اور قلبی کمزوری سے آزاد تھے۔

مرنے کے بعد کی زندگی اور آخرت کی جواب دہی کے خیال نے وہ احساسِ فرض ان کے اندر پیدا کر دیا تھا، جس کے بعد انسان بڑے سے بڑے خطرات کو نگاہ میں نہیں لاتا۔ اللہ اور اس کے رسول کی رضا تلاش کرنا ان کی زندگی کا مقصد بن چکا تھا۔ دن کے دن اور رات کے رات ہونے میں ان کو شبہ ہو سکتا تھا۔ نبی برحق کے قول میں ان کے نزدیک شک کی گنجائش نہ تھی۔ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور اس کے درمیان ایک انصاری نوجوان اطمینان سے کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس کا نام عمیر بن حمام تھا۔ اس نے آپؐ کو یہ فرماتے سنا۔ ''آج جو ان کافروں کے مقابل جم کر لڑے گا اور پیٹھ نہ دکھائے گا اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔'' کہنے لگا ''اچھا تو مجھ میں اور جنت میں صرف اتنا فاصلہ ہے کہ یہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں۔ ہاتھ سے کھجور پھینک کر تلوار سونت کر دشمن کی صفوں میں گھس گیا اور بے جگری سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ اس لڑائی کے انجام نے ثابت کر دیا کہ کثرتِ تعداد نہیں اللہ کی مدد فتح کی ضمانت ہے۔

احد کی لڑائی

احد ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ پہاڑ مدینے کے اتر پچھم میں کوئی دو میل کی دوری پر ہے۔ اب کی لڑائی اس پہاڑ کی وادی میں ہوئی۔ کافروں کی فوجیں اسی وادی کے سر پر مدینے کے آمنے سامنے اکٹھا ہوئیں، تین ہزار آدمی تھے سات سو ان میں زرہ پوش تھے، دو سو گھوڑے ساتھ تھے۔ سترہ عورتیں تھیں۔ عورتیں دف بجا بجا کر گاتیں اور بدر کی لڑائی میں مارے جانے والوں کا نام لے لے کر بین کرتی تھیں۔ مطلب یہ تھا کہ سپاہیوں کو جوش آئے، لڑنے میں پیچھے نہ ہٹیں۔

یہ فوج مکے سے روانہ ہوئی تب ہی مسلمانوں کو اس کی اطلاع مل چکی تھی، آپؐ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا جو لوگ کسی مجبوری کے سبب بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے ان کو فکر تھی کھل کر مقابلہ ہو۔ اللہ کی راہ میں بہادری اور مردانگی دکھلانے اور خدا کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ وہ کہتے تھے مدینے سے باہر نکل کر کافروں کا سامنا کیا جائے۔ آپ کی ذاتی رائے آبادی میں رہ کر لڑنے کی تھی، جب دیکھا کہ زیادہ لوگ باہر نکل کر

لڑنے کی موافقت میں ہیں۔ آپ نے وہی رائے مان لی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اگر کسی معاملے میں اللہ کا کوئی خاص حکم نہ ہوتا تو آپ اسی رائے پر عمل فرماتے، جس کی طرف زیادہ لوگ ہوتے۔ آپؐ کے ساتھیوں کا بھی یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنی رائے اس وقت تک ظاہر کرتے رہتے جب تک یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے ان کا مشورہ ٹکرا نہیں رہا ہے۔

مسلمانوں کی فوج میں کل ۷۰۰ آدمی تھے ان میں سے صرف ۱۰۰ زرہ پوش تھے اور اتنے آدمیوں کے درمیان محض دو گھوڑے تھے۔ یہ لوگ احد کی جڑ میں صف بستہ ہوئے۔ پہاڑ ان کی پشت پر تھا۔ ۵۰ تیر انداز تھے۔ آپؐ نے ان کو ایک چھوٹے سے ٹیلے پر مقرر کیا، فرمایا۔۔۔ ''تم دیکھتے رہو کہ پیچھے سے حملہ نہ ہونے پائے۔ تیروں کی بوچھار سے دشمنوں کو قریب نہ پھٹکنے دو۔ خبردار اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ جب تک اپنی جگہ پر جمے رہو گے ہمارا پلہ بھاری رہے گا۔ تم دیکھو کہ ہمیں شکاری پرندے جھپٹ کر لیے جا رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا، یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن کو پسپا کر دیا ہے، انھیں روند کر رکھ دیا ہے تو بھی میری طلبی کے بغیر اس ٹیلے سے تمھارے قدم آگے نہ بڑھیں۔''

پہلا ہلہ

لڑائی شروع ہوئی۔ بدر کی لڑائی کی طرح آج بھی مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ حضرت علیؓ، حضرت حمزہ، سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم اور دوسرے مہاجر و انصار اپنی تلوار کے جوہر دکھلا رہے تھے۔ حضرت ابو دجانہ انصاری کا تو یہ حال تھا کہ تلوار کند ہو جاتی تو اس کو پتھر پر تیز کرتے اور پھر دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑتے۔ کوئی نہ تھا جو کافروں کا جھنڈا چند سیکنڈ ہاتھ میں لے کر سیدھا کھڑا ہو سکتا، جس کے ہاتھ میں جھنڈا پہنچتا۔ ان بہادروں کی تلواریں موت کی طرح اس کے سر پر جا پہنچتیں اور وہ جہنم کی راہ لیتا۔ آخر کار دشمن کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ لوگ تتر بتر ہو گئے اور سر پر پیر رکھ کر بھاگنے لگے۔ یہی وہ نازک موقع تھا، جب مسلمان اپنے سردار کا حکم بھول گئے۔ معمولی سردار نہیں، اللہ کا رسول، جس کی ہدایت کے خلاف کر کے فائدے کی امید کبھی نہیں کی جا سکتی۔ انسانی کمزوری احساسِ فرض پر غالب آ گئی۔ تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔

آپؐ کا حکم بھول گئے، ابتری پھیل گئی

حضرت خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ کافروں کے سوار دستے کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ تیر اندازوں کا ٹیلے سے ہٹنا تھا کہ وہ اپنے بچے کھچے ساتھیوں سمیت نہایت ہوشیاری سے پیچھے پہنچے اور حملہ کر دیا۔ مسلمان تو مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول تھے، وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ لڑائی ختم ہوگئی اور سچ یہ ہے کہ لڑائی ختم ہی ہوگئی تھی۔ اگر تیر انداز دستہ اپنی جگہ نہ چھوڑتا۔۔۔ یکبارگی جو حملہ ہوا تو بوکھلا گئے۔ دونوں فوجیں ایسی گڈمڈ ہوئیں کہ کسی کو کسی کی سدھ نہ رہی۔ اسی ہنگامے میں ایک شخص نے حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کر کے یہ شور کر دیا کہ (توبہ توبہ) وہ بد بخت شمعِ نبوت کے گل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس خبر نے رہے سہے حواس بجا نہ رکھے، بڑی ابتری پھیل گئی۔

اب کچھ لوگ جنھیں اصل حقیقت کی اطلاع نہ تھی، یہ سوچ کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے کہ سرورِ دوعالمؐ کے بعد زندگی بیکار ہے۔ احد کی اس وادی میں اپنے پیارے نبی پر قربان ہو جانا ہے، لوٹ کر مدینے نہیں جانا ہے۔

شمع رسالتؐ کے پروانے

مہاجرین اور انصار میں سے چودہ جاں باز آپ کے گرد صف بستہ تھے اور دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ آپؐ پر قربان ہو جانے کی سعادت کے مقابلے میں زندگی کی پونجی انھیں حقیر تر نظر آتی تھی۔ شمع رسالت پر پروانہ وار فدا ہونے کی آرزو تھی۔ ایمان اپنا تقاضا پورا کر رہا تھا، یقین کی نگاہوں کے سامنے جنت کا نقشہ تھا۔

میں دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں

دشمن آپؐ کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے پتھراؤ سے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ چہرہ زخمی ہوگیا۔ مغفر کی کڑیاں رخسار میں دھنس گئیں، ان سے خون جاری تھا، ایسے میں کسی نے آپؐ سے کہا "اے اللہ کے رسول...! ان ظالموں کے لیے بد دعا فرمایئے۔ خدا ان کو ہلاک کرے۔"

آپؐ نے فوراً جواب دیا "میں دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لعنت بھیجنا میرا کام نہیں اے اللہ! میری قوم کے لوگوں کو سیدھی راہ دکھا۔ یہ لوگ ناواقف ہیں۔"

ایک بہادر خاتون

مردوں کے علاوہ ایک بہادر خاتون بھی اس لڑائی میں اپنی تلوار کے جوہر دکھلا رہی تھیں۔ ان کا نام قسیبہ بنت کعب ہے۔ اس وقت تک پردے کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ وہ فوج کے ساتھ آئی تھیں، اپنا واقعہ خود بیان کرتی ہیں ــــ ''دن کے پہلے پہر میں نکلی، دیکھوں لوگ کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس ایک مشک تھی۔ اس میں پانی تھا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی انھیں پانی پلاتی گزر رہی تھی۔ میں نے دیکھا، مسلمانوں کا پلہ بھاری ہے۔ آپؐ کے قریب آئی۔ کچھ مہاجر اور انصار آپؐ کے گرد و پیش تھے۔ دشمن پر ہماری دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ یک بارگی کیا دیکھتی ہوں کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ ہماری فوج تتر بتر ہوگئی۔ میں پھر دوڑ کر آپؐ کے نزدیک پہنچی اور تیر و تلوار سے بڑھتے ہوئے دشمنوں پر وار کرنے لگی۔ اسی دوران میں وہ شخص ادھر آیا، جس نے آپؐ کے بارے میں جھوٹی خبر مشہور کی تھی۔ میں نے اور مصعب بن عمیر نے اس کا مقابلہ کیا اور لوگ بھی جو وہاں تھے، اس پر ٹوٹ پڑے۔ کم بخت نے میرے بازو پر وار کیا۔ یہ دیکھو اتنا گہرا زخم لگا ہے۔ میں نے بھی اس پر تابڑ توڑ حملہ کیا، مگر دشمن خدا دوہری زرہیں پہنے ہوئے تھا۔

جیت کہیں ہار نہ ہو جائے

لڑائی ختم ہوگئی۔ کافروں کو جتنی کامیابی ہوئی، بدر کے تجربے کے بعد وہ اس کو بھی بہت سمجھتے تھے۔ مدینے پر حملے کی ہمت نہ ہوئی۔ ڈر تھا جیت کہیں ہار نہ ہو جائے۔ ان کی فوج واپس ہونے لگی، تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو ان کے پیچھے بھیجا۔ فرمایا دیکھو کدھر کا رخ ہے۔ گھوڑے کوتل ساتھ ہوں تو واپس جا رہے ہیں۔ ان پر سوار ہیں تو سمجھو نیت بد ہے۔ ہماری آبادی پر حملے کا ارادہ ہے۔ کافروں نے سوچا بدر کی لڑائی کا بدلہ ہو گیا بس غنیمت ہے گھر لوٹ چلیں۔ انھوں نے مکے کا رخ کیا۔ حضرت علیؓ واپس آ گئے۔

وحشیانہ جوشِ انتقام

اس زمانے میں ایک بڑی وحشیانہ رسم تھی۔ دشمن کی لاشوں کے پیٹ پھاڑ ڈالتے۔ ناک، کان کاٹ لیتے ہار بنا کر عورتیں گلے میں پہنتیں۔ اس لڑائی میں بھی کافروں نے جوشِ انتقام میں یہ ساری بدتمیزیاں کیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہند تو حضرت حمزہؓ کا کلیجہ تک چبا گئی۔ حضرت حمزہؓ کی

لاش کے ساتھ خاص طور پر ہند نے بڑی گستاخیاں کیں۔ آخری آدمی جس کو انھوں نے قتل کیا تھا اس پر جھکے ہوئے تھے کہ وحشی نے پیچھے سے حملہ کرکے ان کو شہید کر دیا۔ پھر ان عورتوں نے اس شیر کی لاش کے ساتھ زندگی میں جس کے نام سے ان کے مرد کانپتے تھے، بے ادبیاں کیں۔ غصہ آدمی کی عقل خراب کر دیتا ہے۔ انسان اچھا خاصا درندہ بن جاتا ہے۔ یہ دیوانہ پن نہیں تو کیا ہے۔

مسلمانوں نے یہ منظر دیکھا۔ غصہ آنا قدرتی بات تھی۔ بولے خدا نے ہمیں ان بدبختوں پر کبھی غلبہ دیا تو ہم بتلائیں گے، ان بدتمیزیوں کی سزا کیا ہے۔ ان کے لاشوں کی ایسی گت بنائی ہو کہ ہمیشہ یاد رہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اللہ کا دین ایسی وحشت و دیوانگی کی اجازت نہیں دیتا۔ ہم برائیوں کی نقل کرنے نہیں ان کو دنیا سے مٹانے آئے ہیں۔

سعد بن ربیع کہاں ہیں؟

آپؐ اپنے ساتھیوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ سب کے آرام و تکلیف کی فکر تھی۔ سب کے دکھ سکھ میں شریک رہتے۔ اس ہلچل میں بھی آپؐ کو سعد بن ربیع کا خیال آیا۔ وہ ایک انصاری تھے۔ لوگوں سے فرمایا ''دیکھو وہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں۔ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے؟'' ایک صاحب انھیں ڈھونڈھنے نکلے۔ دیکھا تو ایک طرف پڑے ہیں۔ ابھی جان باقی ہے۔ پاس گئے کہا ''پیارے رسول ﷺ نے آپ کی جستجو کے لیے بھیجا تھا۔ انھیں فکر تھی آپ زندہ ہیں یا اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔'' بولے: ''میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ آپؐ کے خادم سعد بن ربیع کے لبوں پر مرتے دم یہ الفاظ تھے اے اللہ! ہمارے نبیؐ کو ہم سب کی جانب سے بہترین اجر عطا فرما اور ہاں ساتھیوں سے میری یہ بات ضرور کہہ دینا، سرورِ عالم تک دشمن کی رسائی ہو گئی اور تم میں سے ایک آنکھ بھی کھلی رہ گئی تو ایزدِ پاک تمھارا کوئی عذر نہ سنے گا۔'' یہ کہتے کہتے روح پرواز کر گئی۔ اللہ کا سپاہی میدانِ جنگ میں ابدی نیند سو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

وہ صاحب آپؐ کی خدمت میں واپس ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا ''اللہ سعد بن ربیع پر رحمت نازل فرمائے۔ زندگی اور موت دونوں میں وہ دین کا سچا فدائی تھا۔'' اللہ اللہ کیسے لوگ تھے موت کی تلخی بھی خدا اور اس کے رسول کی محبت کی شیرینی ان سے نہ چھین سکی۔

بارِ الٰہا حمد کا تو سزاوار ہے

لاشوں کو دفن کرنے کے بعد مدینے واپس ہونے کے لیے آپؐ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ باقی ماندہ ساتھی آپؐ کے گرد و پیش اکٹھا ہو گئے۔ تقریباً سب ہی زخمی تھے۔ چودہ عورتیں بھی تھیں۔ آپؐ بے ترتیبی اور بدنظمی کو پسند نہ فرماتے تھے۔ بولے ایک قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔ مرد کھڑے ہوئے، ان کے پیچھے عورتیں۔ آپؐ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"بارِ الٰہا حمد کا تو ہی سزاوار ہے۔ تو پھیلانے والا ہو تو کون سمیٹ سکتا ہے اور تو سمیٹ لے تو کس میں طاقت ہے کہ فراخی دے، جس کو تو گمراہی میں ڈال دے کوئی اس کو ہدایت نہیں دے سکتا اور جس کو تو سیدھی راہ دکھا دے، کس کی مجال ہے جو اس کو گمراہ کر سکے، جو تو چھین لے وہ کون دے سکتا ہے، جسے تو دور کر دے اسے قریب کرنا کس کے بس میں ہے، جس کو تو قریب کر دے، اسے کون دور کر سکتا ہے۔"

پھر آپؐ مدینے واپس ہوئے، جن گھروں کے لوگ اس لڑائی میں شہید ہوئے تھے، ان کی عورتوں کو تشفی دیتے۔ ان کے لیے دعا فرماتے۔ عورتوں کو سمجھایا اگر گھر کا کوئی آدمی مر جائے تو افسوس ایک قدرتی بات ہے۔ مگر منہ پر طمانچے مارنا، بال نوچنا، چہرے کو زخمی کرنا ٹھیک نہیں۔ نیک اور بھلی عورتیں تھیں۔ پھر آپؐ کا فرمانا، غم و رنج سے بدحال تھیں مگر مان گئیں۔ انھوں نے یہ سب کچھ نہ کیا۔

یہ لڑائی شوال ۳ ہجری میں ہوئی۔ (مارچ ۶۲۵ء) ۷۰ مسلمان شہید ہوئے اور ۲۳ مشرک مارے گئے۔

آزمائش میں ایک سبق

ابوسفیان احد کی لڑائی میں کافروں کے سردار تھے، ان کے پاس بہت زیادہ فوج تھی۔ پھر بھی بہت تھوڑے سے مسلمانوں کے مقابلے میں اس بھاری فوج کے پیر اکھڑ گئے تھے، اور آپؐ کے حکم پر تیر انداز جمے رہتے تو فتح یقینی تھی۔ شکست بے شک ہوئی، لیکن اس آزمائش نے آگے کے لیے مسلمانوں کو ہوشیار کر دیا۔ وہ سیکھ گئے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کام کرنے کا انجام خراب ہوتا ہے۔ کافر بھی اس فتح کو ایک اتفاقی بات سمجھتے تھے۔ بدر کا بدلہ مل گیا۔

اس سے خوش ضرور تھے لیکن اپنی طاقت پر ان کو اب وہ اعتماد نہ تھا، جو اس رات تھا جب لڑائی سے پہلے بدر کے میدان میں وہ جشن منا رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جیت جانے کے بعد بھی ان کی ہمت نہ ہوئی کہ مدینے پر حملہ کرتے یا مسلمانوں کے باقی ماندہ فوج کو بالکل ختم کر دینے کی سوچتے۔ خدا پر یقین اور حیرت انگیز تنظیم نے کافروں کے حوصلے پست کر دیے تھے۔

اللہ مجھے تم سے بچا سکتا ہے

۴ ہجری میں کوئی پانچ سو مسلمانوں کے ساتھ آپؐ مدینے سے روانہ ہوئے۔ معلوم ہوا تھا کہ کچھ لوگ لڑنے کے لیے اکٹھا ہو رہے ہیں۔ جستجو کی گئی، کہیں پتہ نہ چلا۔ ادھر ادھر جماعتیں بھیجی گئیں۔ انھوں نے واپس آ کر خبر دی غالباً اطلاع صحیح نہ تھی۔ یہاں آس پاس تو کوئی نہیں، کچھ دور اور چلے تو تھوڑے سے لوگ ملے مگر لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ دونوں گروہ آمنے سامنے کھڑے رہے اسی موقعے پر پہلی بار خوف کی نماز پڑھی گئی۔ ایک صف نماز ادا کرتی باقی لوگ دشمن کے مقابل ہوشیار صف بستہ رہتے۔

واپس ہوئے تو راہ میں ایک مقام پر جہاں ببول کی قسم کے کانٹے دار درخت تھے۔ سایہ بھی تھا، لوگ ٹھہر گئے۔ دوپہر کا وقت تھا، خیال ہوا کمر سیدھی کر لیں تو آگے بڑھیں۔ آپ بھی ایک درخت کے سائے میں آرام فرمانے لگے۔ ابھی لوگوں کی آنکھ لگی ہی تھی کہ آپؐ نے آواز دی۔ آواز کان میں پڑی نہ تھی کہ لوگ جاگ اٹھے اور اس درخت کی طرف جھپٹے، جس کے سائے میں آپ استراحت فرما رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اجنبی شخص آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور آپ اس کو دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو اس شخص کا نام دعثور ہے۔ میں سو رہا تھا، میری تلوار سرہانے درخت سے لٹک رہی تھی، یہ شخص آیا، اس نے تلوار چپکے سے اتار لی اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ یہ مسکرا کر کہنے لگے، بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا، اللہ۔ تم سب جانتے ہو اس سے سچا جواب ہو بھی کیا سکتا تھا۔ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، اور اب تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ یہ میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔'' آپؐ نے دعثور کو اور کچھ نہ کہا۔ بات ختم کر دی۔ کہتے بھی کیا اس پر ویسے ہی سکتے کا عالم طاری تھا۔ حضورؐ کے اس برتاؤ سے دعثور اتنا متاثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

مُعونہ کے کنویں پر

۴ ہجری کا واقعہ ہے۔ صفر کا مہینہ تھا (مئی ۶۲۵ء) احد کی لڑائی کو چار مہینے ہو چکے تھے۔ ایک دن آپؐ کے پاس قبیلہ عامر کا ایک شخص آیا۔ اس کا نام ابو برا بن مالک تھا۔ اس کو لوگ 'نیزہ باز' کہتے تھے۔ آپؐ نے کہا۔ ''بھئی اسلام قبول کرو۔ سچے اصولوں پر چل کر اپنی زندگی سنوار لو۔'' اس نے انکار کیا نہ اقرار۔ کہنے لگا بات تو اچھی کہہ رہے ہیں۔ یہ کیجیے کہ کچھ لوگوں کو میرے قبیلے میں بھیج دیجیے۔ وہ میرے قبیلے والوں کو دین کی باتیں بتلائیں میرا خیال ہے اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔ قبیلے والے آپؐ کا دین قبول کر لیں گے۔'' آپؐ نے فرمایا۔ ''مجھے نجد والوں سے اطمینان نہیں۔'' ابو برا نے جواب دیا۔ ''میں ان کی حفاظت کا ذمے دار ہوں۔ ان پر آنچ نہ آئے گی۔''

مختصر یہ کہ منذر بن عمرو کی سرکردگی میں آپؐ نے ایک جماعت روانہ کر دی۔ ان میں بہت سے حافظ بھی تھے۔ کوئی ستر آدمی تو رہے ہوں گے، یہ لوگ معونہ کے کنویں پر پہنچے۔ وہاں سے ایک آدمی عامر بن طفیل کے پاس آپ کا خط لے کر بھیجا۔ اس بدبخت نے خط پڑھا تک نہیں۔ عرب اور ساری دنیا کے رواج کے خلاف ان کو شہید کر دیا اور یہی نہیں بلکہ اپنے حمایتی دوسرے قبیلوں کو آواز دی کہ آؤ ان سب کو گھیر لو۔ قبیلہ عامر کے لوگ تو اس پکار پر نہ آئے۔ دوسرے البتہ ٹوٹ پڑے، جنھیں زندگی کی برکتیں دینے گئے تھے وہ جان کے بھوکے ہوئے۔ حق پرستوں کی یہ چھوٹی سی ٹولی آخر دم تک مردانہ وار ان کا مقابلہ کرتی رہی اور لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

آپؐ کو اس حادثے کی خبر ملی۔ بہت افسردہ ہوئے فرمایا کہ یہ سب ابو برا کا کیا ہوا ہے۔ مجھے پہلے ہی اطمینان نہ تھا۔ بادلِ ناخواستہ ان لوگوں کے بھیجنے پر راضی ہوا تھا۔ ابو برا کو کسی نے آپؐ کے یہ الفاظ سنائے۔ وہ فرطِ ندامت سے اسی غم میں گھل گھل کر مر گئے۔

سب تو شہید ہو گئے۔ ایک صاحب کی زندگی تھی۔ بچے رہے۔ زخم بہت آئے تھے۔ بے ہوش پڑے تھے۔ کافروں نے سمجھا چل بسے، پھر معلوم ہوا زندہ ہیں۔ انھیں قید کر لیا۔ کچھ دنوں بعد معلوم نہیں کیا جی میں آئی چھوڑ دیا۔ یہ وہاں سے چلے آئے۔ مدینے واپس آ رہے تھے راہ میں ایک سایے دار درخت کے نیچے آرام لینے کے لیے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اسی جگہ دو مسافر اور سایہ دیکھ کر آ ٹھہرے۔ انھوں نے پوچھا کون ہو کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے قبیلہ عامر کے ہیں۔ سفر کر رہے تھے۔ سایہ دیکھا بیٹھ گئے۔ یہ جلے ہوئے تو تھے ہی کچھ نہ بولے۔ چپ ہو

رہے۔ ہونے والی بات۔ درخت کا سایہ اور ٹھنڈی ہوا۔ شاید تھکے ہوئے بھی زیادہ تھے۔ دونوں کی آنکھ لگ گئی۔ انھوں نے دونوں کو قتل کر دیا اور وہاں سے مدینے کی راہ لی۔ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا۔ بے جانے بوجھے تم نے ان غریبوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا بہت برا کیا۔ ان کو میں نے پناہ دے رکھی تھی۔ اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ ان کا خوں بہا تو میں ادا ہی کروں گا۔

سفر کی آخری منزل

معونہ کے کنویں پر جو حفاظ شہید ہوئے، ان میں عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ کافر انھیں بہت اذیت پہنچاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر انھیں آزاد کر دیا تھا۔ یہی تھے جو شام کے دھندلکے میں غار ثور کے دہانے پر بکریاں ہانک کر لے جاتے، تاکہ آپؐ ان کے دودھ سے شکم سیر ہو جائیں۔ پھر جب چار آدمیوں کا مختصر قافلہ مکے سے ہجرت کر کے مدینے پہنچا تو راہ بتلانے والے کے علاوہ ایک یہ بھی تھے، جو حضرت صدیقؓ کے پیچھے اونٹنی پر بیٹھے تھے۔ اللہ کی راہ میں انھوں نے مکے سے جو سفر شروع کیا تھا۔ معونہ کے مقام پر اس کی آخری منزل تھی۔ نہیں میں نے غلط کہا اس کی آخری منزل تو جنت الفردوس ہے۔

آستین کے سانپ

قبیلۂ بنی عامر کے دو آدمیوں کو ان صاحب نے قتل کر دیا تھا، جو معونہ کے کنویں پر سے بچ کر چلے آئے تھے۔ ان کا خوں بہا بھیجنا ضروری تھا۔ وہ دونوں آدمی آپؐ کی پناہ میں تھے یہودیوں سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے خوں بہا کی رقم میں یہودیوں کی شرکت بھی ضروری تھی۔ آپ ان کے ایک خاندان بنی نضیر کے پاس گئے۔ انھوں نے دکھلانے کو تو رقم میں شریک ہونے پر آمادگی ظاہر کی۔ ادھر آپؐ سے بات چیت کرتے رہے اور ادھر سے ایک یہودی کو اشارہ کیا کہ اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا دے۔ آپؐ ایک دیوار کے سائے میں بیٹھے تھے۔ اللہ میاں نے آپؐ کو وحی کے ذریعے اس کی خبر کر دی۔ آپؐ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ یہودیوں نے پھر آپ کو بلایا۔ آپ نے کہلا بھیجا۔ اب مجھ کو تم پر بھروسہ نہیں، نیا معاہدہ کرو تو تم سے بات چیت کی جا سکتی ہے۔ پرانا معاہدہ ختم۔

یہودیوں کے ایک خاندان بنو قریظہ نے نیا معاہدہ کرلیا۔ بنونضیر کے پاس مضبوط قلعے تھے۔ وہ اسی زعم میں تھے، اکڑتے رہے۔ آخر کار ربیع الاول ۴ ہجری میں (جون ۶۲۵ء) آپؐ نے ان قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ دو ہفتے تک وہ اپنے قلعوں میں بیٹھے رہے۔ پھر خود ہی یہ شرط پیش کی کہ ہم اپنا مال واسباب لے کر وہاں سے چلے جائیں۔ ہم کو اس کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ اسلحہ کی قسم سے کوئی چیز نہ لے جائیں۔ باقی جتنا ان کے لیے ممکن ہو لے جاسکتے ہیں۔ محاصرہ اٹھالیا گیا۔

جانے لگے تو دروازہ اور چوکھٹ تک اتار لے گئے۔ ننگی دیواریں تک بھی سلامت نہ چھوڑیں۔ اپنے مکانات زمین کے برابر کردیے۔ جلن یہ تھی کہ مسلمان ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ مدینے سے نکل کر یہ لوگ خیبر میں اور ان میں سے کچھ جاکر شام میں آباد ہوئے۔

مدینہ تو ان لوگوں نے چھوڑ دیا لیکن وہاں کے نخلستانوں اور ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کا خیال کرتے تو ان کے دل پر سانپ لوٹ جاتا۔ دشمنی کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ مسلمانوں کو زک پہنچانے کا خیال ان کے دماغ سے ایک لمحے کے لیے جدا نہ ہوتا تھا۔ آخر کار شوال ۵ ہجری (فروری ۶۲۷ء) میں انھوں نے اپنی جیسی کر بھی ڈالی۔

خندق کی لڑائی

خیبر کے یہودی جو مدینے سے جلاوطن ہو کر وہاں جابسے تھے قریش کے پاس گئے۔ ان سے کہا تم ہمارا ساتھ دینے کو کہو تو ہم مسلمانوں سے نپٹ لیں۔ مکہ والے بت پرست تھے۔ اسلام ان کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اس کی تعلیم ہے کہ عبادت کے لائق صرف خدا کی ذات ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں، یہ سب کچھ تھا مگر وہ یہودیوں کے مذہب کو بھی کچھ اچھا نہ سمجھتے تھے انھیں معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین اگر کچھ میل کھاتا ہے تو اسلام سے۔ بت پرستی سے اس کو بھی کوئی لگاؤ نہیں۔ انھوں نے یہودیوں سے پوچھا۔ بھئی پہلے یہ بتلاؤ، ہمارا دین اچھا ہے کہ یہ نیا دین جو ہمارے ہی خاندان کے ایک نوجوان کے ہاتھوں پھیل رہا ہے۔ یہاں کیا تھا۔ یہودی تو سچ نہ بولنے کی قسم کھا چکے تھے۔ فوراً بولے تمھارا دین۔ تمھارے دین کا اس نئے مذہب سے کیا مقابلہ۔ قریش کے سادہ لوح پھولے نہ سمائے اور یہودیوں کا ساتھ دینے کے لیے راضی ہوگئے۔ یہاں سے خیبر والے غطفان کے قبیلے کے پاس گئے۔ ان سے بھی اسی قسم کی چال پھیر کی باتیں

کیں۔انھوں نے ساتھ دینے پر حامی بھرلی، چپکے چپکے مدینے پر حملے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

آپؐ کو خبر ملی۔اپنے دستور کے مطابق ساتھیوں کو اکٹھا کیا۔مشورہ ہوا،حضرت سلمانؓ نے رائے دی،شہر کے گرد خندق کھود لی جائے۔وہ فارس کے رہنے والے تھے۔فارس والوں کی آئے دن یونانیوں سے لڑائی رہتی تھی۔وہاں اس طرح لڑنے کا رواج تھا۔سب لوگوں نے ان کی رائے مان لی۔خندق کھودنے کی تیاری ہونے لگی۔

سلمانؓ ہم میں سے ہیں

آپؐ ہر کام بڑے سلیقے سے کرتے تھے۔بے قاعدگی اور بدانتظامی آپؐ کو بالکل پسند نہ تھی۔چناں چہ آپؐ نے خندق کھودنے والوں کی ٹولیاں بنادیں۔ہر ٹولی میں دس آدمی تھے۔خندق کو کئی حصوں میں بانٹ کر نشان ڈال دیا۔حضرت سلمانؓ ذرا اچھے ڈیل ڈول کے تھے پھر ان کو اس کا تجربہ بھی تھا۔ہر ٹولی چاہتی تھی کہ وہ اس میں رہیں آپؐ نے فرمایا ''سلمان کی گنتی ہمارے گھر والوں میں ہوگی۔وہ ہمارے حصے میں ہیں۔'' حضرت سلمان کی خوشی کا کیا کہنا تھا۔

خندق کھدنے لگی

خندق کھدنے لگی۔ ہر ٹولی پورے جوش سے اپنے کام میں مصروف تھی۔کوئی مٹی کھودتا۔کوئی اس کو باہر پھینکتا۔ بھاری پتھر اٹھا اٹھا کر خندق سے باہر اکٹھا کیے جاتے۔ان کو سلیقے سے ایک طرف رکھ دیا جاتا۔ پیارے رسول بھی ایک ٹولی کے ساتھ اپنے حصے کا کام کررہے تھے۔اونچ نیچ چھوٹے بڑے، حاکم و محکوم کا فرق نہ تھا۔اللہ کے دین کی حفاظت میں اس کے نیک بندے اور اس کا آخری پیغمبر بھوک پیاس بھولے ہوئے تھے۔تکلیف و مشقت کی پروا نہ تھی۔کتنے تھے جن کے منہ میں گزشتہ تین چار دن سے ایک کھیل اڑ کر نہ گئی تھی۔خود آپؐ کے پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔یہ حال تھا پھر بھی کوئی دیکھتا تو کہتا،ان لوگوں سے زیادہ مطمئن شاید ہی دنیا میں کوئی ہو۔ان کے چہروں پر خوشی تھی۔اطمینان اور وقار تھا۔خوشی اس بات کی کہ اللہ نے ان کو اپنے دین کی خدمت کی توفیق بخشی۔اطمینان اس چیز کا کہ ان کا وقت ایک نیک کام میں صرف ہو رہا ہے اور وقار اس وجہ سے کہ وہ اپنے وطن ہی نہیں، ساری دنیا کے باطل پرستوں سے جو لڑائی لڑ رہے تھے اس میں ان کی وہ جگہ تھی، جو بلند ہمت اور عالی حوصلہ انسانوں کی ہوا کرتی ہے۔

خندق کھد رہی تھی۔ ایک بڑا پتھر راہ میں آ گیا۔ کدال اس پر اثر نہ کرتی تھی کوشش کر کے ہار گئے۔ اب کیا ہو۔ جو خط آپ نے کھینچ دیا تھا اس کے خلاف کھدائی بغیر آپؐ کی ہدایت کے کیوں کر ہو سکتی تھی اور پتھر کی چٹان اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہ لیتی تھی۔ آخر کار آپ کو اطلاع کی گئی۔ تشریف لائے، پیٹ پر فاقے سے پتھر باندھے ہوئے تھے۔ کدال ہاتھ میں لے کر ضرب لگائی۔ چٹان پاش پاش ہوگئی۔ کدال کی ضرب سے چنگاریاں اڑیں۔ دور دور روشنی پھیل گئی۔ آپؐ نے فرمایا، اسی روشنی میں شام فارس، مدائن اور یمن پر دین کا سکہ بیٹھا ہوا نظر آ رہا ہے۔ آپؐ نے سچ فرمایا تھا۔ اللہ کے نیک بندں کے عزم سے مل کر اس وقت کی ہر بڑی طاقت بہت تھوڑے عرصے میں فنا ہوگئی۔

ان کا کوئی اصول نہ تھا

خندق کے پار مدینے کی جانب تین ہزار مجاہد صف بستہ تھے۔ دوسری جانب قریش کی سرکردگی میں جس ہجوم نے گھیراڈال رکھا تھا اس کی تعداد دس ہزار تھی۔ اس میں قریش، بنی نضیر کا یہودی خاندان اور دونوں کے ساتھی دوسرے قبیلے شامل تھے۔ آگے چل کر اس فوج میں اور اضافہ اس طرح ہو گیا کہ بنو قریظہ کے یہودی بھی دشمنوں سے آ ملے۔ پہلے ان لوگوں نے معاہدے کی خلاف ورزی اور مسلمانوں سے لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کے سردار نے تو یہاں تک کیا کہ جو لوگ بھڑکانے آئے تھے ان سے کہہ دیا کہ میں تم سے ملاقات نہیں کرنا چاہتا، مگر آخر کب تک؟ بھڑکانے والوں نے ایسی پٹی پڑھائی کہ وہ بھی موم ہو گیا۔ خوشامد درآمد نے اس یہودی خاندان کو بھی مسلمانوں سے کٹ کر ان سے جنگ کرنے پر راضی کر دیا۔ جو لوگ اصول کو آدمی سے کم قیمت سمجھتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ آدمی کو خوش کرنے کے لیے اصول کو توڑ دیتے ہیں۔ بنو قریظہ کے یہودیوں نے بھی یہی کیا۔ ان کا کوئی اصول نہ تھا۔ انھوں نے معاہدہ توڑ دیا۔

سچے اور نیک مسلمانوں میں کچھ منافق لوگ بھی ملے جلے ہوئے تھے

ویسے تو بنو قریظہ کے یہود مدینے کے خاص آبادی کے باہر رہتے تھے۔ پھر بھی اتنا فاصلہ نہ تھا کہ ان کی مخالفت کے بعد شہری آبادی کو محفوظ سمجھا جا سکے۔ شہر سے بالکل ملے ہوئے ان کے قلعے تھے ان کے دشمنوں سے مل جانے کے بعد معاملے نے نازک صورت اختیار کر لی۔

قدرتی بات ہے ہر چہار طرف سے خطرات کسی کو گھیر لیں تو انسانی کمزوری کی بنیاد پر طرح طرح کے احساس ستانے لگتے ہیں کچھ مسلمان بھی ایسے تھے جن بیچاروں کو طرح طرح کے وہموں نے گھیر لیا۔ ایک مشکل اور تھی اور وہ سب سے بڑی مشکل تھی۔ وہ یہ کہ سچے اور نیک مسلمانوں میں کچھ منافق بھی ملے ہوئے تھے۔ منافق لوگ ظاہر میں اللہ رسول کے ساتھ، باطن میں کافروں کے ہمدرد، یہ لوگ ہر گھڑی اس کوشش میں لگے رہتے کہ اپنی بات چیت سے مسلمانوں کے ارادے اور ایمان دونوں کو کمزور کر دیں۔ ان کے دل میں موت کا خوف پیدا کریں۔ بدر اور احد کی لڑائی میں انھوں نے جو کچھ سیکھا ہے اس کو ان کے دل و دماغ سے نکال دیں۔ بدر و احد کی لڑائی میں انھوں نے سیکھا تھا کہ حق ہی اصل طاقت ہے۔ تعداد کی کمی زیادتی کوئی چیز نہیں۔ اللہ کی مدد ہو تو چھوٹی ٹولی بڑی ٹولی سے جیت جاتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ فتح شکست سے بدل جاتی ہے، منافق چاہتے تھے یہ کام کی باتیں مسلمان بھول جائیں۔ خندق کے اس پار جو ٹڈی دل سمندر کی طرح امنڈ رہا تھا اس کو دیکھ کر ان کے دل لرز جائیں۔ ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو جائے۔

وہ کسی کش مکش کو زندگی و موت کے پیمانے سے نہ ناپتے تھے

سچ بات یہ ہے کہ اب کی بار عرب کی قریب قریب ساری مشرکانہ طاقت مسلمانوں کے خلاف اکٹھا ہو کر آ گئی تھی۔ قریش، یہودی اور دونوں کے زیر اثر قبائل یہ سب اپنی متحدہ طاقت سے اسلام کی اشاعت اور اس کے بتائے ہوئے اصولوں پر مدینے میں جو زندگی کا نقشہ آہستہ آہستہ بن رہا تھا اس کو مٹا دینے کے ارادے سے آئے تھے لیکن تعداد کی کمی اور اندرونی و بیرونی مخالفت کے باوجود مسلمان اس زمانے کے معیار کے مطابق اتنے منظم اور اتنے محتاط تھے کہ سارا عرب ان کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تنظیم، سلیقہ، احتیاط اور اتحاد کے ساتھ ساتھ اللہ کے دین پر وہ پختہ یقین اور اپنے اصولوں کے لیے جینے مرنے کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا، جو بجائے خود کسی جماعت کے لیے طاقت کا بہت بڑا خزانہ ہوا کرتا ہے۔ وہ کسی کش مکش کو زندگی و موت کے پیمانے سے ناپنے کے بجائے صرف حق و ناحق کی کسوٹی پر پرکھنے کے عادی بن گئے تھے۔ موت سے ڈرنا انھوں نے چھوڑ دیا تھا اور زندگی کو وہ اپنی متاع نہ جانتے تھے اس لیے بڑی سے بڑی طاقت سے آنکھ ملانا ان کے لیے معمولی بات تھی۔

ان کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی

یہودیوں کے ساتھ جن اور قبیلوں سے معاہدہ ہوا تھا، ان میں سے بھی دو یہ کہہ کر الگ ہو گئے کہ ہم لوگ مدینے کے باہر رہتے ہیں۔ ہمارے مکانات کھلے میدان میں اور غیر محفوظ ہیں۔ منافقوں نے بڑی کوشش کی۔ مسلمانوں کو بہت ہلایا جلایا، بہت وسوسے دلائے۔ مگر جنھیں اللہ پر بھروسا ہو ان کو وسوسے کب ستا سکتے ہیں۔ ان کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔ ایک دو دن نہیں، پورے ایک ماہ یہ محاصرہ قائم رہا۔ اس دوران دونوں جانب سے معمولی تیراندازی ہوتی رہی پھر بھی اتنی بڑی فوج کی ہمت نہ ہوئی کہ خندق کو پار کرنے کی جرأت کرتی۔ اکّا دکّا کوشش ہوئی لیکن جو آگے بڑھا کسی بہادر مجاہد نے صف سے نکل کر اس کو جہنم پہنچا دیا۔

ایک دلچسپ واقعہ

اس لڑائی کے دوران ایک بہت دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا نام تم نے سنا ہوگا۔ یہ شاعر تھے اور پیارے رسولؐ سے ان کو بڑی محبت تھی۔ انھوں نے اپنے اشعار میں پیارے رسولؐ کی اچھائیاں بیان کیں۔ اسلام کی خوبیاں گنائیں۔ کعب بن اشرف وغیرہ کافر شاعر مسلمانوں کی جو ہجو کرتے، اسلام کے خلاف لوگوں کو ابھارتے۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ان سب کا جواب دیتے۔ انھوں نے اس طرح بہت سے اچھے اور زوردار شعر کہے ہیں۔ تم ان کو پڑھو تو اندازہ ہو کہ اچھے شاعر کیسے ہوتے ہیں۔

ایک یہودی قلعے کے گرد چکر لگا رہا ہے

خیر یہ باتیں تو اس لیے تھیں کہ تمھاری تھوڑی بہت ان سے پہچان ہو جائے۔ حضرت حسانؓ مدینے کے باہر ایک قلعے میں رہا کرتے تھے۔ اس لڑائی کے زمانے میں پیارے رسولؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بھی اس قلعے میں تھیں اور بہت سی عورتیں اور بچے تھے۔ حفاظت کے خیال سے ان سب کو یہاں ٹھہرایا گیا تھا۔ حضرت حسانؓ کو ان کی دیکھ بھال سپرد کی گئی تھی۔ ایک دن حضرت صفیہؓ نے دیکھا کہ ایک مشتبہ قسم کا یہودی قلعے کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ یہودی معاہدہ توڑ چکے تھے اس لیے قدرتی طور پر آپؓ کو شک ہوا کہ آخر یہ آدمی کیوں چکر کاٹ رہا ہے۔

اس کے جی میں کیا ہے۔ مسلمان مرد تو ایک بھاری فوج کا سامنا کر رہے ہیں۔ وہاں سے ہٹ کر ہمارے بچاؤ کے لیے کیسے پہنچیں گے۔ یہودیوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو کیا ہوگا ـــــ اب واقعہ ان ہی کی زبانی سنیے۔

اے عبدالمطّلب کی بیٹی یہ کام مجھ سے نہ ہوگا

میں نے کہا ''اے حسان! تم دیکھ رہے ہو، یہ یہودی قلعے کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ خدا کی قسم اس سے کچھ دور نہیں کہ جا کر دوسرے یہودیوں کو مسلمان عورتوں اور بچوں کے یہاں موجودگی کی اطلاع کر دے۔ یہ اسی کھوج میں آیا ہے۔ ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔ تم یہ کرو کہ نیچے جا کر اس کو قتل کر دو۔ واپس نہ جانے پائے۔ وہ بولے، اے عبدالمطلب کی بیٹی! یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ میں نے سمجھ لیا یہ اس کام کے آدمی نہیں۔ کیا کرتی، میں نے ہی اپنے کو تیار کیا۔ خیمے کا ایک بانس نکالا اور چپکے چپکے قلعے کے نیچے پہنچی۔ وہاں پہنچ کر میں نے اس کو ذرا بھی سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور خیمے کے چوب سے مار مار کر گرا دیا۔ اس کو جہنم رسید کرنے کے بعد قلعے میں واپس آئی۔ میں نے حسان سے کہا لو اب تو جاؤ اس کی تلوار وغیرہ اتار لاؤ۔ میں عورت ہوں اس کے جسم کو کیسے ہاتھ لگاتی ـــــ اے عبدالمطلب کی بیٹی! میں یہ سب کچھ نہ کروں گا، جانے بھی دو، مار تو ڈالا ہی تم نے، چلو قصہ پاک ہوا خطرہ دور ہوا۔''

ان کی خدمات کی قیمت نہیں گھٹتی

اس واقعے سے حضرت حسانؓ کی ان خدمات کی قیمت نہیں گھٹتی، جو انھوں نے اپنی ادبی صلاحیت اور شاعرانہ کمال سے دین کے لیے انجام دیں۔ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ قدرتی طور پر بعض کام انجام نہیں دے سکتے۔ ان کے اندر ایک طرح کی کمزوری ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کو بجا لانے کے لیے سوجھ بوجھ، بہادری اور برموقع کوشش جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے بالکل ویسے ہی عورتوں کے لیے بھی۔ عورتوں کو صحت مند، تندرست ہونا چاہیے اور موقع پڑنے پر اپنی حفاظت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

دشمنوں میں پھوٹ پڑ گئی

کچھ دنوں کے محاصرے کے بعد کافروں اور یہودیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اپنی طاقت پر ان کا رہا سہا اعتماد کمزور ہوتا چلا گیا۔ اللہ نے ان کی تباہی کا یہ سامان بھی کر دیا کہ راتوں کو ایسی تیز و تند اور سرد ہوائیں چلتیں کہ خیمے زمین پر آ رہتے۔ دیگچیاں چولھوں پر نہ ٹھہرتیں۔ ایک ہلچل مچ جاتی، دن بھر مسلمانوں کے سامنے لڑائی کے میدان میں کمر بستہ کھڑے رہتے، رات کو آرام کرنا چاہتے تو یہ آفت گھیر لیتی۔

آپؐ نے حضرت حذیفہ کو بھیجا کہ پتہ لگاؤ کیا حال ہے۔ انھوں نے آ کر خبر دی اللہ کا بھیجا ہوا لشکر دشمنوں کو تل پٹ کیے دے رہا ہے، آگ جلانا مشکل ہے۔ دیگچیاں چولھوں پر نہیں رکتیں، ساری فوج پر اندھیرا چھایا ہوا ہے۔

ایسے میں ابو سفیان نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کیا۔ ان سے کہا پہلے یہ دیکھ لو آس پاس کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے۔ اندھیرا تھا ہی میں نے اپنے بغل والے آدمی کا ہاتھ دبایا۔ تم کون ہو۔ اس نے نام بتایا۔ میں چپ ہو رہا۔ ابو سفیان نے کہا۔ دوستو! یہ لڑائی تو ہمیں تباہ کر گئی۔ ہم یہاں ڈیرہ ڈالنے تھوڑے آئے ہیں۔ آدمی اور جانور سب ہی پر مصیبت آئی ہوئی ہے۔ یہودی غدار نکلے، پھر یہ آندھی، آگ جلانا مشکل، کھانا پکانا محال خیمے ہیں کہ اڑے جا رہے ہیں۔ میں تو کہوں گا یارو یہاں سے چل ہی دیں تو اچھا ہے۔ لو میں تو چلا۔ یہ کہتے ہی اپنے اونٹ پر دو تین کوڑے رسید کیے وہ رسی تڑا کر بھاگ نکلا۔ سردار کے بعد کون ٹکتا۔

غطفان کے قبیلے والوں کو قریش کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی اپنا سامان سمیٹ کر چل دیے۔ جو بچ رہا اس پر بعد میں مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ اب میدان میں صرف یہودی رہ گئے۔ وہ ڈینگیں بہت مارتے تھے لیکن قلعے سے باہر نہ آئے۔ ان کی لڑائی چوری چھپے اور دھوکا دے کر نقصان پہنچانا تھی۔ دوسروں کو مسلمانوں کے خلاف اُبھار دیتے اور خود سامنے آ کر لڑنے کی ہمت نہ کرتے۔

کافی عرصے کے سخت اور مسلسل محاصرے کے بعد مسلمانوں نے کمر سے ہتھیار کھولے۔ اور اپنی آبادی میں لوٹے۔ آپؐ نے فرمایا اب قریش والے تمھارے مقابلے پر آنے کی ہمت نہ کریں گے۔ بعد کے واقعات نے بھی یہی ثابت کیا۔ یوں تو چھوٹی بڑی جھڑپیں چلتی

رہیں لیکن اس لڑائی کے بعد عرب کے اندرونی حصے میں مسلمانوں کا سامنا کرنے کی ہمت کسی میں نہ رہی۔ قریش والوں کے حوصلے تو بدر کی لڑائی کے بعد ہی پست ہو چکے تھے۔ باقی دو ایک قبیلے جن کو قریش ہی کی طرح اپنی بہادری اور طاقت کا زعم تھا وہ بھی مسلمانوں کے مقابل آئے تو اس طرح نہیں کہ کسی معمولی گروہ سے ان کو ٹکر لینا ہے۔ بڑی تیاری کے ساتھ آئے اور آخر میں پسپا ہوئے۔ مسلمان پہلی بار بدر کے میدان میں اترے تب ہی لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس دنیا کے خالق اور مالک کا حکم بجالانے کے لیے جان دینے والوں کی تنظیم کے آن بان اور تیور کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ خدا پر یقین سب سے بڑی طاقت ہے۔ اب یہ حال تھا کہ دشمن سمٹ سمٹ کر آتے تھے۔ مگر ان کا دل پراگندہ اور دماغ حیران تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آزمائشیں تو مسلمانوں کے لیے بھی ہیں شہید ان میں سے ہوتے ہیں۔ مگر ان کی صفوں میں انتشار نہیں۔ اپنے سردار کے حکم پر جان دینا ان کے لیے معمولی بات ہے۔ باہر لڑائی کی ہل چل اور اندر خیالات کی کش مکش نے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیے۔

بد عہدی کی سزا

خندق کی لڑائی میں قریظہ خاندان کے یہودیوں نے عین وقت پر دھوکہ دیا۔ معاہدے کے خلاف مدینے پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ ہو گئے۔ پڑوس میں رہتے تھے ان سے ہر وقت خطرہ تھا اس لیے اسی دن عصر کی نماز کے وقت آپؐ نے حضرت بلال کو حکم دیا۔ ”جاؤ بستی میں پکار آؤ، اللہ اور اس کے رسول کا جو مطیع اور فرماں بردار ہو، اس پر لازم ہے کہ اس وقت کی نماز بنو قریظہ کی آبادی میں پڑھے۔ اب کیا تھا لوگ مسجد نبوی میں اکٹھا ہونے کے بجائے اسی سمت چل دیے۔ ایک تانتا بندھ گیا، جسے دیکھو یہودیوں کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے۔ کوئی تین ہزار آدمی اور چھتیس گھوڑے، جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔

کسی نے لبوں پر مہر لگا دی

یہودی قلعوں میں رہا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے وہاں پہنچ کر قلعے کی دیوار کی جڑ میں جھنڈا گاڑ دیا، کچھ مہاجر اور انصار بھی ساتھ تھے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کو دیکھا، باہر نکلنے کی تو ہمت نہ ہوئی۔ اندر ہی سے پیارے رسولؐ کی شان میں گستاخانہ باتیں بکنی شروع کر دیں۔

مسلمانوں نے سنا تو ان کو بہت غصہ آیا۔ حضرت علیؓ وہاں سے لوٹ پڑے۔ راہ میں سرورِ عالمؐ سے ملاقات ہوگئی۔ بولے، آپؐ ادھر تشریف نہ لے جائیے۔ آپؐ مسکرائے پھر فرمایا: کیا بات ہے؟ انھوں نے مجھ کو برا بھلا کہا ہوگا تم مطمئن رہو۔ میں چلتا ہوں۔ میرے سامنے ان کو گستاخی کی جرأت نہ ہوگی۔ سچ مچ آپؐ کے سامنے جیسے کسی نے ان کے لبوں پر مہر لگادی، کچھ نہ بولے۔

مسلمانوں کی فوج قلعوں کے گرد گھیرا ڈالے پڑی رہی

کوئی پچیس دن تک مسلمانوں کی فوج ان کے قلعوں کے گرد گھیرا ڈالے پڑی رہی۔ آخر کار یہودیوں کے حوصلے پست ہوگئے، ان کے دل پر خوف چھا گیا۔ پہلے تو انھوں نے ایک جان توڑ کوشش کرنے کی سوچی، اپنے بال بچوں اور عورتوں کو خود قتل کردیں۔ پھر قلعوں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں اور لڑ کر مر جائیں مگر یہ ان کی اسکیم ہی تھی۔ معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کر دینا کون بھلی بات تھی۔ دراصل ان میں مردانہ وار جنگ کرنے کا حوصلہ نہ تھا اپنی غلطی مان لینے کے بجائے اس قسم کی احمقانہ باتوں میں وقت خراب کر رہے تھے۔ مشوروں کے درمیان آپس میں اُلجھ گئے۔ پھر ایک دن آپ کے پاس کہلا بھیجا۔ ہمارے حق میں جو فیصلہ ہو اس پر ہم راضی ہیں۔ یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو۔ اب ہم میں تاب نہیں۔

تمہارا فیصلہ وہ ہے جو اس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے

قریظہ خاندان کے یہودیوں اور قبیلہ اوس کے انصاریوں سے بڑا میل رہ چکا تھا۔ یہود نے حضرت سعد بن معاذ کو جو اوس کے سردار تھے۔ اس معاملے کا فیصلہ سپرد کیا۔ وہ خندق کی لڑائی میں زخمی ہوگئے تھے۔ مرہم پٹی اور علاج ہو رہا تھا۔ کسی طرح سواری پر آپؐ کی خدمت میں لائے گئے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا، یہودیوں نے اپنا معاملہ تمھارے سپرد کیا ہے۔ تمھیں اس قضیے میں اپنی رائے دینا ہے۔ یہودیوں نے بدعہدی کی تھی۔ تورات میں بدعہدی کی جو سزا مقرر تھی۔ حضرت سعدؓ نے وہی سزا تجویز کردی، یعنی جو لڑنے والے ہوں ان کو قتل کر دیا جائے۔ عورتوں کو قید کرلیا جائے۔ دولت تقسیم کردی جائے۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس محاصرے کے درمیان صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ ان کا نام خلاد بن سوید تھا۔ وہ اس طرح کہ ان پر ایک یہودی عورت نے اوپر سے چکی کا پاٹ ڈھکیل دیا۔ وہ عورت قتل کردی گئی۔

حدیبیہ کی صلح

ذی قعدہ ۶ ہجری (فروری ۶۲۸ء) میں آپؐ کعبے کی زیارت کا ارادہ کر کے مدینے سے روانہ ہوئے لڑائی مقصود نہ تھی۔ مکہ چھوڑے ہوئے چھ سال ہو چکے تھے۔ اس درمیان زیارت یا حج کے لیے بھی وہاں جانے کا آپؐ کو اتفاق نہ ہوا تھا۔ آپؐ نے ادھر کا قصد فرمایا تو بہت سے مہاجر انصار اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لوگ ساتھ ہو لیے۔ آپؐ نے عمرے کا احرام بھی باندھ لیا تھا تاکہ اطمینان ہو جائے اور یہ اندیشہ باقی نہ رہے کہ آپؐ جنگ کے ارادے سے نکلے ہیں۔ قربانی کے جانور بھی ساتھ تھے۔ کوئی ستر رہے ہوں گے۔ ساتھیوں میں سے کچھ مدینے میں آملے تھے۔ باقی راہ میں ساتھ ہوتے گئے۔ یوں کوئی ۱۴۰۰ یا ۱۶۰۰ کی جماعت ہو گی۔ ان لوگوں کے پاس اسلحہ کے قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔ صرف تلوار تھی جو نیام کے اندر رکھی جاتی تھی۔ عربوں میں رواج تھا کہ تلوار ضرور اپنے ساتھ رکھتے تھے اس کو مسافر کا ہتھیار کہا جاتا تھا۔

منزل بہ منزل سفر کرتے چلے جا رہے تھے کہ راہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتلایا کہ قریش والے آپؐ کے سفر کی خبر پا چکے ہیں۔ خبر پا کر وہ آپ کی راہ روکنے کے لیے نکل بھی پڑے۔ بڑے عزم اور پختہ ارادے سے، آخری دم تک جنگ کرنے کی نیت سے باہر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دودھ دینے والی اونٹنیاں اور بچے والی مائیں تک پیچھے نہیں چھوڑی گئیں۔ خالد بن ولید کو ایک سوار دستے کے ساتھ پہلے ہی روانہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: ''افسوس ہے قریش والوں پر، آئے دن کی جنگ انھیں کھا گئی پھر بھی انھیں ہوش نہ آیا۔ مجھ کو اور باقی عرب کو نپٹ لینے دیتے۔ میں انھیں سیدھی راہ پر نہ لا پاتا، مجھے شکست ہوتی تو اُن کی مراد پوری ہو جاتی اور خدا مجھے کامیابی عطا فرماتا تو یہ بھی اللہ کے دین میں داخل ہو جاتے اور پھر بھی راضی نہ ہوتے تو پوری طاقت سے میرا مقابلہ کرتے۔ قریش والے سمجھتے کیا ہیں۔ خدا کی قسم میں ان صداقتوں کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کرتا رہوں گا اور جہاد سے کسی قیمت پر بھی باز نہ آؤں گا۔ جن کے پھیلانے کے لیے اس نے مجھے بھیجا ہے یا اللہ کا دین غالب ہو، یا زندگی ایک قصہ ماضی بن جائے۔

صلح کے لیے قاصد آنے شروع ہوئے

آپؐ لڑائی کا ارادہ نہ رکھتے تھے، اس لیے آپؐ نے راستہ بدل دیا۔ قریش کے سوار دستے سے مڈ بھیڑ نہ ہو خواہ مخواہ لڑائی کی نوبت کیوں آئے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا۔ آج میں جنگ کی نیت سے نہیں نکلا ہوں۔ قریش کے لوگ مجھ سے جتنی نرمی اور لحاظ کا مطالبہ کریں گے، پورا ہوگا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک جگہ آپؐ کی اونٹنی آپ ہی آپ بیٹھ گئی۔ اس لیے سب ساتھی رک گئے۔ ڈیرے پڑ گئے۔ اب قریش کے گماشتے آنے شروع ہوئے۔ کوئی جاسوسی کے لیے آیا، کوئی بات چیت سے آپ کا عندیہ لینے اور ساتھیوں کے انداز سے رائے قائم کرنے آیا۔ کسی کو یہ فکر تھی آپ کے سفر کی غرض و غایت معلوم ہو۔ کسی کو قریش والوں نے بھیجا۔ کوئی ان کے اشارے پر آیا۔ بہت سے خود آئے اور یہ دیکھنے آئے کہ مکے سے نکالے ہوئے لوگوں کے رنگ ڈھنگ کیا ہیں۔ نئے دین میں داخل ہونے کے سبب ان کی زندگی میں کیا تبدیلی ہوئی ہے۔

آنے والوں میں سے جو بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اس سے ایک ہی بات کہی۔ ہم لڑنے نہیں آئے۔ کعبے کی زیارت کریں گے، واپس جائیں گے۔ ہمارے ساتھ قربانی کے جانور ہیں۔ ہم کوئی فوجی تیاری کر کے نہیں چلے ہیں۔ قریش والوں کو آپؐ کی سچی باتوں پر یقین نہ آیا۔ حالاں کہ ان ہی نے آپؐ کو دشمنی کے باوجود صادق اور امین کا لقب دیا تھا ان کے دل میں ہول سمایا تھا، عقل کام نہ کرتی تھی۔

میں نے قیصر و کسریٰ کا بھی دربار دیکھا ہے مگر

عمرو بن مسعود ثقفی آئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو قریش کی تیاری سے ڈرانا چاہا۔ کہنے لگے، اب کی بار تو وہ لوگ بڑی تیاری سے نکلے ہیں۔ اپنے مویشی اور عورتیں تک انھوں نے پیچھے نہیں چھوڑیں۔ چیتے کی طرح بھرے ہوئے ہیں۔ آپؐ کے ساتھی ان کے سامنے ایک لمحہ بھی نہ ٹک سکیں گے۔ ایسے بکھر جائیں گے جیسے ریت کے ذرے۔ آپ کا ساتھ چھوڑ جائیں گے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غصہ آ گیا۔ ہم ان باطل پرستوں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکیں گے؟ کیسی باتیں کرتے ہو، بڑی تیز تیز بات چیت ہو گئی۔ عروہ بن مسعود بولے، تم نے مجھ پر ایک احسان کیا ہے اس کے سبب میری گردن نیچی ہے۔ کیا جواب دوں۔ واپس گئے، قریش والوں سے کہا، میں

نے بڑے بڑے دربار دیکھے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے۔ لیکن محمدؐ کے ساتھی ان کا جیسا ادب و احترام کرتے ہیں ان کے ساتھ جو شیفتگی و وارفتگی ہے، وہ مجھے بڑے سے بڑے دربار میں بھی نظر نہیں آئی۔ ان کے وضو کا پانی گرتا ہے تو منہ اور آنکھوں پر مل لیتے ہیں۔ کوئی ان سے آنکھیں چار کر کے بات نہیں کرتا۔ ان کے روبرو ہوتے ہیں تو تعظیم و توقیر سے نگاہیں نیچی رکھتے ہیں۔ گفتگو اتنی دھیمی آواز میں کرتے ہیں کہ اجنبی کو دھوکا ہو، سرگوشی کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھی قیامت تک تمھیں ان تک نہ پہنچنے دیں گے۔ تم ان کی لاشوں پر سے گزر کر ہی ان کے سردار تک پہنچ سکتے ہو۔ وہ سچ مچ لڑنے نہیں آئے میری رائے میں تم ان کی بات مان لو۔ حرج ہی کیا ہے۔

دھر لیے گئے

کچھ قریش نوجوانوں کے سر میں سودا سمایا۔ سوچا چپکے سے حملہ کر دیا جائے۔ مسلمان لڑنے نہیں آئے تھے۔ پھر بھی قریش کی باتوں سے مطمئن نہ تھے۔ پہلے ہی ہوشیار تھے۔ یہ لوگ دھر لیے گئے۔ گرفتار کر کے آپؐ کی خدمت میں لائے گئے۔ رحمتِ عالمؐ نے انھیں معاف کر دیا۔ فرمایا ''جاؤ آج تو میں ہر نرمی برتنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔''

...اور جس کی خوشی و رضامندی میرا ایمان ہے

جب آپؐ نے دیکھا قریش والوں کو کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا تو آپؐ نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ وہ مکے گئے۔ مشرکوں سے کہا۔ ہم لوگ واقعی لڑنے نہیں آئے ہیں۔ کعبے کا طواف کریں گے، اپنی راہ واپس جائیں گے۔ قربانی کے جانور ساتھ لائے ہیں۔ جنگ کا ارادہ ہوتا تو ایسے آتے؟ یہ دیکھو احرام بندھا ہے۔ جھوٹ بولنا ہمارا کام نہیں۔ خدا سے ڈرنے والے جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ ان کے خاندان والوں نے کہا تمھارا معاملہ دوسرا ہے۔ باپ دادا کے دین سے پھر گئے سہی، مگر تم طواف کر سکتے ہو۔ صرف تمھارے ساتھ ہم رعایت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ باقی لوگوں کو تو واپس جانا ہی ہوگا۔ حضرت عثمانؓ نے جوش میں آ کر کہا اچھی رہی۔ تم میری خوشی چاہتے ہو اور جس کی رضامندی اور خوشی میرا ایمان ہے اس کے بغیر میں اکیلے طواف کر لوں۔ عقل کے ناخن لو، یہ قیامت تک نہ ہوگا۔ وہ بولے، خیر تو پھر تمھاری مرضی۔ مگر یہ بھی سمجھ لو کہ اب تم آزاد نہیں ہو۔ اس وقت سے ہمارے قیدی ہو۔ واپس نہیں جا سکتے۔

بیعت الرضوان

حضرت عثمانؓ وہاں قید ہوگئے اور مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ وہ شہید کر ڈالے گئے۔ آپؐ نے لوگوں کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا۔ پھر ان سے جاں نثاری کا عہد لیا۔ اس اطلاع پر آپؐ کو یقین نہ تھا ایسا ہوتا تو آپ عہد لیتے وقت حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی عہد نہ کرتے۔ آپ چاہتے تھے کہ بدترین حالات کے لیے تیار رہنے اور جرأت و فداکاری اور جانبازی دکھلانے کا جذبہ پرورش پائے۔

اس عہد کو ہماری تاریخ میں ''بیعت الرضوان'' کہا گیا۔ کیوں کہ اللہ نے ان اقرار کرنے والوں سے اپنی رضامندی اور خوشنودی ظاہر فرمائی ہے۔ اس میں ۱۴۰۰ آدمی شریک تھے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ وہ درخت جس کے نیچے آپؐ نے یہ عہد لیا تھا حضرت عمرؓ کے زمانے تک موجود تھا۔ لوگ اس کے گرد طواف کرنے لگے۔ تو آپؓ نے اس کو کٹوا دیا۔ ایک اچھے واقعے کی یادگار شرک کا ذریعہ نہ بن جائے۔ شرک کو خدا نے بڑا بھاری ظلم کہا ہے۔

مکے والوں کو اس عہد کی خبر ملی۔ بہت ڈرے سہمے، ان میں جو ذرا سمجھ دار تھے وہ بولے، بھلائی اسی میں ہے کہ صلح کرلو۔ کسی کو پھر بھیجو۔ اب کی سال واپس جائیں۔ اگلے سال آئیں۔ ہم کو اعتراض نہ ہوگا۔ ہماری بات رہ جائے، عرب والے ہم کو طعنہ نہ دیں۔ اتنا ہی ہمارا مقصد ہے، سہیل بن عمرو کو نمائندہ چنا گیا۔ وہ آپ سے بات کرنے چلے۔ ان کو آتے دیکھا تو آپ نے فرمایا۔ ''اب قریش والے واقعی صلح چاہتے ہیں۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا کہ آج میری جانب سے ان کے لیے ہر رعایت ہے۔

معاہدہ ہوگیا

معاہدہ ہوگیا، شرطیں یہ تھیں:

(۱) اس سال مسلمان بغیر کعبے کی زیارت کیے واپس جائیں، اگلے سال آئیں۔ سوائے تلوار کے جو نیام میں رہے گی، کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں (تلوار کم سے کم ہتھیار تھا، جو عام طور پر معمولی سفر میں بھی ہر شخص کے ساتھ رہتا تھا)۔ قریش پورے طور پر مکے کو خالی کردیں تب مسلمان شہر میں داخل ہوں۔ زیارت کے لیے تین دن سے زیادہ قیام کا اُن کو حق نہ ہوگا۔

(۲) دس سال تک فریقین میں کوئی جنگ نہ ہوگی۔ راستے محفوظ رہیں گے، چوری اور رہزنی بھی معاہدے کی خلاف ورزی سمجھی جائے گی۔

(۳) قریش کا کوئی آدمی اپنے متعلقین کی مرضی کے خلاف آپ کے پاس چلا آئے گا تو اس کو واپس کر دیں گے اور کوئی مسلمان قریش میں چلا گیا تو وہ اس کو واپس نہ کریں گے۔

(۴) فریقین میں سے کسی سے بھی جو قبیلے اتحاد چاہیں گے ان کو اس کی پوری آزادی ہوگی۔ معاہدے کی اس شق کے مطابق خزاعہ کا قبیلہ مسلمانوں کے اتحاد میں اور بکر کا قبیلہ قریش والوں کے گروہ میں داخل ہو گیا۔

ہم معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے

ابھی ابھی معاہدہ لکھا جا چکا تھا کہ حضرت ابو جندلؓ مسلمانوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ہاتھ ہتھکڑیوں سے فگار، پاؤں بیڑیوں سے زخم دار، یہ سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے۔ مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے دین کی وجہ سے خاندان والوں کے ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں کیسے چھوٹ نکلے اور وہاں پہنچ گئے۔ سہیل فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاہدہ لکھا جا چکا، اب تم ان کو روک نہیں سکتے۔ انھیں واپس کرنا ہوگا۔ اتنی دیر میں ابو جندل سامنے آ کھڑے ہوئے۔ وہ کہہ رہے تھے بھائیو! کیا کہتے ہو، میں واپس جاؤں اور یہ کافر میرے دین کی وجہ سے مجھے اذیتیں پہنچاتے رہیں۔ آپ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ سہیل کی بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ ''ہاں معاہدہ ہو چکا۔ ہم اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ ابو جندل کی واپسی مسلمانوں کو بہت کھلی۔ وہ تڑپ اٹھے۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ معاہدہ ہو چکا تھا، اللہ اور اس کے رسولؐ کی یہی مرضی تھی۔

کھلی ہوئی جیت

اس صلح کو قرآن پاک میں کھلی ہوئی فتح کہا گیا ہے۔ بہ ظاہر آپ نے کفار سے نرم شرطوں پر اور دب کر صلح کی تھی۔ صلح سے پہلے بھی فرما چکے تھے آج قریش کے ساتھ نرمی برتی جائے گی۔ لیکن فی الحقیقت:

(۱) یہ صلح نامہ اپنے نتائج اور اثرات کے اعتبار سے شکست نہیں کھلی ہوئی فتح کا پیش خیمہ

تھا۔ فریقین کو ایک دوسرے کی جانب سے پورا اطمینان ہوگیا۔ اس طرح دین پھیلانے کے لیے راستہ صاف ہوا۔ لڑائیاں جواب تک ہوئیں اور سیکڑوں مسلمان اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور خدا کے نیک بندے سر ہتھیلی پر لیے جو پھرتے تھے تو اسی لیے کہ:

(۲) پرامن طریقے پر لوگوں سے ملنے اور اپنی بات کہنے کی راہ نکلے، انھیں امن ہی تو نصیب نہ تھا۔ ہر وقت اندیشہ لگا رہتا کہ مشرکین عرب اپنی مجموعی طاقت سے دین پھیلانے والوں کو ہمیشہ کے لیے ختم نہ کردیں پھونکوں سے تو خیر یہ چراغ کیا بجھتا، اور کب بجھا؟ مگر بے اطمینانی تو قدرتی بات تھی۔ پھر دوسروں کے دل و دماغ بھی تو ان ہنگاموں کی وجہ سے اچھی باتیں سمجھنے کے قابل نہ ہو پاتے تھے۔ ٹھنڈے دل سے اسلام کو سمجھنے سوچنے اور مسلمانوں کو پرکھنے کی آسانی ان کو بھی نہ تھی۔ اس صلح نامے کے بعد لوگ آپس میں ملنے جلنے لگے۔ جو لوگ اب تک مسلمان نہ ہوئے تھے، ان کے لیے یہ سہولت پیدا ہوئی کہ اس فرق کو سمجھیں جو مسلمان ہوجانے کے بعد انسان کی زندگی میں ہو جاتا ہے۔ مسلمان اب تک کافروں سے لڑتے ہی نہیں رہے تھے، انھوں نے اور بھی بہت سے کام کیے تھے، ان کی زندگی اور ان کا چلن اتنے دنوں میں بہت کچھ بدلا تھا۔ کچھ اندازہ غیروں کو لڑائی کے دوران بھی اس تبدیلی کا ہوتا تھا۔ ان کے قیدی چھٹتے اور اپنے گھروں کو واپس ہوتے تو اپنے تجربات بیان کرتے۔ سفر میں راستوں سے گزرتے تو لوگ ان کو دیکھتے، اکا دکا آدمی آپ کے پاس آنکلتا تو اس کو بھی ایک جھلک اس نئی زندگی کی نظر آجاتی۔ یہ سب کچھ تھا مگر لڑائی اور بے اعتباری کی فضا میں اچھائیاں کم نظر آتی ہیں اور عقل اس دل کے ساتھ چلتی ہے، جس میں بدگمانیوں کا اندھیرا چھایا رہتا ہے۔

(۳) اب لوگوں کو پورا موقع تھا کہ مسلمانوں کو قریب سے پورے اطمینان کے ساتھ دیکھیں اور ان صداقتوں کو اچھی طرح پرکھیں، جنھیں پھیلانے کے لیے اللہ نے سرورِ عالم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا۔ انھوں نے دیکھا اور پرکھا اور جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوتے چلے گئے۔

حدیبیہ میں آپ کے ساتھ ۱۴۰۰ جاں نثار تھے۔ فتح مکہ کے وقت یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

(۴) اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر آپ نے وقت کی بڑی بڑی سلطنتوں اور سردارانِ قبائل کو خطوط لکھے۔ اپنے قاصد بھیجے۔ ان خطوط میں اسلامی اصولوں کا ایک مجمل خاکہ پیش کیا گیا ہے اور ان کو نرمی اور وقار کے ساتھ اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ معاہدے ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ

کے قاصدوں کو راہ میں کوئی نہ ٹوکتا۔ صلح کی مدت میں تقریباً تمام جزیرۂ عرب اسلام میں داخل ہو گیا اور عرب کے باہر بھی مختلف قوموں اور ملکوں تک یہ آواز پہنچ گئی۔ ایک پُرامن اور منظم جدوجہد کے لیے ایسی آسانی اور اس پیمانہ کی کامیابی شکست کب قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ تو کھلی ہوئی فتح ہی تھی۔

(۵) اس معاہدے کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں اسلام کو ایک مستقل اور فیصلہ کن طاقت تسلیم کرلیا گیا، جس کا درجہ قریش سے جو عرب کے سرداری کے دعویدار تھے۔ کسی طرح کم نہ تھا۔

کسوٹی

معاہدے کے یہ فوائد پہلی نگاہ میں سامنے نہیں آئے۔ اس لیے انسانی کمزوری کے باعث بعض مسلمانوں کو پریشانی ہوئی۔ مگر ان لوگوں کے نزدیک درست اور نادرست کی کسوٹی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی ہدایت تھی اس لیے ان کا دل اس معاہدے پر راضی ہو گیا۔ پھر جب اس کی خوبیاں سامنے آئیں تو انھوں نے اللہ کی حمد وثنا کی اور اس سے مغفرت کے طالب ہوئے۔

ابھی ایک خلش باقی تھی

اس معاہدے کے بعد قریش اور ان کے ساتھی قبیلوں کی جانب سے یکسوئی ہوگئی۔ لیکن ابھی ایک خلش باقی تھی۔ یہ تھے خیبر کے یہودی جو ہمیشہ اس تاک میں لگے رہتے کہ کوئی موقع ملے اور مسلمانوں کے خلاف آگ لگادیں۔ ادھر سے اطمینان ہو جانے کے بعد آپ نے ادھر کا رُخ کیا اور محرم ۷ھ (۶۲۸ء) میں آپؐ اسلامی فوج کے ساتھ ایک صبح وہاں جا پہنچے۔

خیبر کی فتح

خیبر مدینے سے تقریباً ۹۶ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کی ساری آبادی یہودی تھی۔ یہ لوگ ایک جگہ اکٹھا ہو کر نہ رہتے تھے۔ بلکہ آس پاس کی وادیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے قلعے کھجور کے باغوں اور گیہوں کے کھیتوں کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنے ہوئے تھے اور یہی آبادی اب یہودیوں کی سازش کا مرکز تھی۔ یہیں سے فتنے سر اٹھاتے تھے۔ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کے اس مرکز کو ختم کرنے ہی کے لیے ۶۲۸ء میں آپؐ کو وہاں کا سفر کرنا پڑا۔

چپ ہو کر بیٹھ رہے

قریب ہی غطفان کا قبیلہ رہتا تھا۔ ان لوگوں سے یہودیوں کے تعلقات تھے۔ خطرہ تھا کہ یہودیوں سے کسی الجھاؤ کی صورت میں یہ لوگ ان کو مدد نہ پہنچائیں۔ اس لیے آپؐ نے فوج کو حکم دیا کہ وہ ایسی جگہ ٹھہرے جو اس قبیلے اور یہودیوں کی رہائش گاہ کے بیچ میں ہو۔ یہودیوں کے گھر جانے کی خبر ملی تو ان لوگوں نے مدد کی سوچی۔ مگر جب یہ دیکھا کہ ہم باہر نکلے تو ہمارے بال بچے دشمنوں کے نرغے میں آ جائیں گے تو چپ ہو کر بیٹھ رہے۔

ایک ایک کر کے سارے قلعے فتح ہو گئے

چھ دن تک ان قلعوں کا محاصرہ جاری رہا۔ یہودی میدان میں نکل کر نہ لڑتے تھے۔ ایک دو آدمی نکل کر باہر آتے، چوری چھپے حملہ کرتے تھے۔ بھاگ کر قلعوں میں گھس جاتے۔ مگر کب تک، ایک ایک کر کے سارے قلعے فتح ہو گئے۔ یہودیوں نے ہار مان لی۔ اس لڑائی میں ۹۳ یہودی مارے گئے، ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔ بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ سونے چاندی اور غلے کے علاوہ ایک بھاری تعداد مختلف قسم کے ہتھیاروں، زرہوں، تلواروں اور نیزوں کی تھی۔ تورات کے چند صحیفے بھی ہاتھ لگے۔ انھیں آپؐ نے یہودیوں کو واپس کر دیا۔ اس سے متاثر ہو کر ایک یورپین مورخ نے لکھا ہے

کتنا بڑا فرق

"یہ واقعہ ثبوت ہے اس بات کا کہ آپؐ کے دل میں ان صحیفوں کی کتنی وقعت تھی۔ یہودی اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ رومیوں نے یروشلم پر غلبہ پایا، تو کتاب مقدس کی اہانت میں کسر اٹھا نہ رکھی۔ جلایا بھی اور پیروں تلے روندا بھی۔ پھر عیسائیوں نے اندلس میں یہودیوں کے ساتھ کشمکش کے دوران میں ان پاک صحیفوں کو انتہائی حفاظت سے نذرِ آتش کیا۔ پیغمبرِ اسلام اور ان سب لوگوں کے طرزِ عمل پر کتنا بڑا فرق ہے۔"

اسی موقعے پر نہیں۔ ان صحیفوں کے معاملے میں اس سے پہلے بھی آپؐ کا یہی طریق کار رہا اور دوسرے مذاہب کی کتابوں کے بارے میں ہمیشہ مسلمانوں کے لیے یہی مانا ہوا اور صحیح طرزِ عمل رہے گا۔

خیبر کی مکمل فتح کے بعد آپؐ نے یہودیوں کو اس کی اجازت دے دی کہ وہ اپنی آبادی میں رہیں۔ کھیتی باڑی اور باغوں کی دیکھ بھال خود ہی کریں۔ البتہ پیداوار کا نصف انھیں اسلامی خزانے میں داخل کرنا ہوگا۔

یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ جاری رہا، اس سے واپس ہوتے ہوئے فدک کے یہودیوں سے بھی ان ہی شرائط پر معاہدہ ہوگیا۔

ان کو اپنی دولت اور طاقت پر گھمنڈ تھا

آپؐ نے ہمیشہ اگلی امت کے لوگوں کی طرف میل و محبت کا ہاتھ بڑھایا۔ ان سے صلح و صفائی رکھنے کی کوشش کی۔ مدینے پہنچے تو یہودیوں سے معاہدہ کرلیا۔ مگر آپؐ کی ان باتوں کو وہ آپ کی اور مسلمانوں کی کمزوری سمجھتے رہے۔ جب بھی موقع ملا کھلم کھلا یا چپکے چپکے انھوں نے فتنہ کھڑا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ان کو اپنی دولت، قابلیت اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ ایک بار ان میں سے کسی نے آپؐ سے یہاں تک کہا ''ہم لوگ قریش والے نہیں ہیں، وہ لڑنا کیا جانیں۔ ان کے مقابلے میں آپؐ جیت گئے، ہمارا کبھی سامنا ہوا تو معلوم ہوگا، مردِ میدان ایسے ہوتے ہیں۔''

مدینے کے چودھری

آپؐ نے مدینے کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے درمیان بھائی چارہ اور میل کرا دیا۔ یہ بھی ان کو بہت کھلتا تھا۔ ان دونوں خاندانوں کی برسہا برس کی جنگ پر تو یہودی پھل پھول رہے تھے۔ انھیں کیسے نہ کھلتا۔ دونوں کو لڑاتے رہتے خود چودھری بنے ہوئے تھے۔ ان کی سوجھ بوجھ کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ مہاجنی کاروبار زوروں پر تھا۔ اوس و خزرج کے میل جول نے، سودی کاروبار کی مذمت نے اور اپنے غریب ساتھیوں کے کام آنے کی تعلیم نے اس جال کے ٹکڑے کردیے، جو یہودیوں نے مدینے کی پوری آبادی پر ڈال رکھا تھا اور یہ کام ایسی نیک نیتی اور سچائی سے ہوا تھا کہ وہ گھٹ گھٹ کر رہتے گرفت کا موقع نہ ملتا۔

ان کی طاقت پارہ پارہ ہوگئی

آپ نے سوچا تھا اہل کتاب ہیں، پڑوسی ہیں جو باتیں ہمارے ان کے دین میں مشترک ہیں ان میں ہمارا ساتھ دیں گے۔ دین تو ایک ہی ہے، یہی اسلام۔ اس کی سچائی انھیں بھا گئی تو یہ بھی اس میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو پیغام ان تک پہنچایا تھا، جو کتاب ان کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی تھی۔ اس پیغام اور اس کتاب کو آخری اور مکمل شکل میں پا کر یہ لوگ اچھے بن جائیں گے۔ اچھوں میں مل جائیں گے، انسانی برادری میں کچھ اور بھلے آدمی بڑھ جائیں گے۔ مگر انھیں برار ہنا تھا نہ سدھرے، معاہدے کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ چھپ چھپ کر فتنوں کو ہوا دیتے رہے اور ہوتا کیا، اپنے انجام کو پہنچے، جلاوطن کیے گئے، قتل ہوئے۔ ان کی طاقت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ کسی گنتی شمار میں نہ رہے۔ تم نے سنا ہوگا چودہ سو سال بعد اب پھر ابھرے ہیں۔ انھوں نے فلسطین میں اپنی حکومت قائم کر لی اور مسلمان کم زور ہو گئے۔ ان میں اخلاق، سچائی، اللہ پر بھروسہ، خود نیک بننے اور دوسروں کو نیک بنانے کا جذبہ نہ رہا۔ ہیں اب بھی کچھ لوگ جو اسی سب کو سچ اور ٹھیک سمجھتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک سچ اور ٹھیک ہے، جو اب بھی دین پھیلانے کی دھن میں ہیں۔ ایسے لوگ تھوڑے ہی ہوں گے۔ مگر ہر جگہ ہیں۔ اللہ چاہے تو وہ خود سدھر جائیں اور دوسروں کو سدھار لیں گے۔ یہودیوں کو بھی سارے انسانوں کو چاہے وہ کسی ملک، کسی قوم اور کسی خاندان کے ہوں اسی میں دنیا کی بھلائی ہے۔ یہی کام ہمارے تمھارے کرنے کا ہے۔

خیبر فتح ہونے کی خوشی مناؤں یا تمھاری آمد کی

ابھی تک آپ کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب حبش میں ہی تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اور مسلمان بھی تھے۔ کوئی پندرہ سولہ آدمی رہے ہوں گے، اسی زمانے میں وہ لوگ واپس آئے۔ نجاشی نے ان کو بڑے انتظام اور آرام سے بھیجا۔ بھائی سے مل کر آپؐ بہت خوش ہوئے۔ ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا ''خیبر کی فتح ہونے کی خوشی مناؤں یا اتنے دنوں سے بچھڑے ہوئے بھائی کی آمد کی۔ تم سیرت و صورت دونوں میں مجھ سے بہت ملتے جلتے ہو۔'' یہ معمولی تعریف نہ تھی۔ حضرت جعفرؓ جتنا خوش ہوتے کم تھا۔

موتہ کی لڑائی

آپؐ نے مختلف ملکوں اور قوموں کے پاس خطوط اور قاصد بھیجے تھے۔ ایک آدمی بصریٰ کے حاکم کے پاس بھی بھیجا تھا۔ اس کو راہ میں ایک عیسائی عرب نے شہید کر دیا۔ قاصد کو مارنے کا اس زمانے میں بھی رواج نہ تھا۔ آپؐ کو اطلاع ملی تو بے حد صدمہ ہوا۔ آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں تین ہزار مجاہدوں کا لشکر روانہ کیا۔ یہ زید بن حارثہ وہی تھے، جنھیں بچپن میں آپؐ نے خریدا تھا۔ پھر اپنا بیٹا بنالیا۔ ان کے باپ چچا لینے آئے تو یہ ان کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئے۔ روانگی کے وقت آپ نے مفصل ہدایات دیں۔ حضرت زیدؓ کی شہادت کے بعد اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کو نامزد کیا۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو اور پھر جس کو مسلمان وقتی طور پر چن لیں۔

عورتوں بچوں کو قتل نہ کرنا

روانگی کے وقت پورے لشکر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”خدا سے ڈرتے رہنا۔ ساتھیوں کے ساتھ محبت و ہمدردی سے پیش آنا۔ اللہ کی راہ میں اللہ ہی کے لیے ان لوگوں سے جہاد کرنا، جو اس کی ہستی کا انکار کرتے ہیں۔ نہ بدعہدی کرنا، نہ ظلم و زیادتی، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ ان لوگوں کو قتل نہ کرنا، جو تم سے لڑنے کے بجائے اپنی خانقاہوں میں گوشہ نشین ہوں۔ درختوں کو نقصان نہ پہنچانا۔ مکانات منہدم نہ کرنا۔“

یہ فوج جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں مدینے سے روانہ ہوئی۔

رومی سلطنت

عرب سے ملی ہوئی رومی سلطنت تھی۔ وہ اس زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنت گنی جاتی تھی۔ اس کا اثر عرب کے سرحدی علاقوں پر بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سرحد کے قریب آباد بہت سے عرب قبیلے عیسائی ہوگئے تھے اور اس کے ماتحت حاکم کی حیثیت سے حکمراں تھے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

رومیوں کو مسلمانوں کی روانگی کی خبر ملی۔ انھوں نے ایک بھاری فوج اکٹھا کی، جو ہر طرح مسلح تھی اور تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں کی فوج کو اس سے کوئی نسبت نہ تھی۔ ایک رات حضرت زید بن حارثہ ایک مقام پر اپنی فوج کے ساتھ فروکش تھے۔ رومیوں کی پیش قدمی کی اطلاعات برابر مل رہی تھیں۔ انھوں نے مشورہ کیا کہ ان حالات کی اطلاع مدینے کر دی جائے۔ یا آپ مزید کمک روانہ فرمائیں گے، یا کوئی اور حکم دیں گے۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔ حکم تو بہر حال بجالانا ہی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے ہمت دلانے کے لیے کہا۔ ”جو چیز آپ کو اس وقت کھل رہی ہے وہ تو عین وہی ہے، جس کے لیے ہم مدینے سے نکلے تھے، یعنی شہادت، ہم تعداد یا قوت کے بھروسے تھوڑا ہی لوگوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ ہم تو اس دین کے سہارے میدان میں اترتے ہیں، جس سے اللہ پاک نے ہم کو نوازا ہے۔ اللہ اس دین کو غلبہ عطا فرمائے گا، یا ہم شہید ہوں گے اور شہادت فتح سے کم تر عزت نہ ہوگی ؂

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

دوسرے دن فوج کی لڑائی

دوسرے دن فوج آگے بڑھی۔ رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے بڑی بے جگری، بہادری، استقلال اور مردانگی سے جنگ کی مگر وہ رومی فوج کے مقابل مٹھی بھر انسان تھے۔ ایک وسیع طوفانی سمندر میں چند نفوس پہاڑ جیسی موجوں سے الجھے ہوئے تھے۔ حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہوئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے راہِ حق میں شہادت پائی۔ ان کے جسم پر تقریباً سو زخم تھے اور سب سامنے کے حصے پر۔ پشت کی طرف ایک بھی نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اپنے خالق کے حضور سرخ رو پہنچے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ

اب حضرت خالد بن ولیدؓ نے بڑھ کر جھنڈا ہاتھ میں لیا، انھیں فطری طور پر فوجوں کی

کمان کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ اُحد کی لڑائی میں ان ہی کی ہشیاری سے کافروں کے اکھڑے ہوئے پیر پھر سے جمے تھے۔ اب مسلمان ہو گئے تھے انھوں نے یہاں بھی بڑی سوجھ بوجھ دکھلائی، ایک ماہر فوجی سردار کی طرح۔ ان کو دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ تھا۔ اپنی فوج کو رومیوں کے نرغے سے صاف بچالائے اور ایسی خوبی سے کہ رومی فوج کو ان کا پیچھا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ ان کی فوجی رہنمائی کا کمال ہی تھا کہ اتنی بڑی فوج کا سامنا کرنے میں صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ جانی نقصان کے لحاظ سے یہ شکست، شکست نہ تھی۔

اللہ کی تلوار

آپؐ کو اس حادثے کی خبر ملی۔ لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کیا، منبر پر تشریف لے گئے۔ چشم مبارک سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ فرمایا ''اپنی مجاہد فوج کا حال سنو۔ اس نے مردانہ وار دشمنوں کا سامنا کیا۔ زید شہید ہو گئے۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ پھر عبداللہ بن رواحہ آگے بڑھے، ثابت قدمی سے لڑتے رہے، اور آخر کار اپنے خالق کے حضور جا پہنچے۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ آخر میں خالد بن ولید نے تمھاری فوج کا جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔'' انجام کار وہ کامراں لوٹے اسی دن سے حضرت خالد کا لقب سیف اللہ پڑ گیا۔

اسماء منہ پر طمانچے نہ مارو، بین نہ کرو

مسجد سے آپؐ حضرت جعفر بن ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے ان کی بیوی اسماء بنت عمیس سے پوچھا بچے کہاں ہیں یہاں بلاؤ۔ بچے آکر چمٹ گئے، آپؐ نے ان کو گود میں لے کر پیار کرنا شروع کیا۔ حضرت جعفرؓ کی بیوی کہتی ہیں ''میں نے دیکھا آپؐ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے پوچھا خیر تو ہے۔ کیا میدانِ جنگ سے کوئی بری خبر آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ سب شہید ہو گئے۔ یہ سننا تھا کہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ رونے پیٹنے لگی۔ آپؐ روتے جاتے تھے اور نرمی سے فرماتے ''اسماء بین نہ کرو، منہ پر طمانچے نہ مارو۔'' پھر ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''اے اللہ مرنے والوں کو بہترین اجر سے نواز، اس کے پس ماندگان کو وہ ساری نیکیاں عطا فرما۔ ان کو اس بھلائی کے ساتھ رکھ، جس کے ساتھ تو نے کسی نیک بندے کے پسماندگان کو رکھا ہو۔''

حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے گئے۔ وہ غم سے نڈھال ہو رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: جعفر ایسے شخص پر کیوں کر رونا نہ آئے۔ ان کے بچے صدمے سے بے حال ہیں۔ بیٹی ان کے لیے کچھ پکا کر بھیج دو۔

فتحِ مکہ

حدیبیہ کے صلح کی شرطوں میں ایک یہ بھی تھی کہ دونوں فریق دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف جنگ سے باز رہیں گے۔ سرورِ عالم ﷺ نے معاہدے کی تمام شرطوں کی پابندی کا پورا لحاظ رکھا۔ حضرت ابو جندلؓ پا بہ زنجیر سامنے آئے۔ انھیں واپس کر دیا۔ دوسرے سال شرائط کے مطابق مکے تشریف لے گئے۔ تین دن سے زیادہ قیام نہ کیا۔ مردوں میں سے جو مسلمان مکے سے مدینے اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف آیا اس کو لوٹا دیا۔ یہ واپسی اس کی مرضی اور اپنی خواہش کے خلاف تھی مگر عہد کی پابندی کا اتنا خیال تھا کہ ذرا سا تامل نہ ہوا۔

معاہدے کی خلاف ورزی

معاہدے کی چوتھی شق کے مطابق بکر کا قبیلہ قریش کے اتحاد میں داخل ہو گیا تھا اور خزاعہ کا قبیلہ جو پہلے ہی مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا تھا۔ ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ان دونوں قبیلوں میں پرانی رنجش تھی۔ جتنے دن سارا عرب نئے دین کے خلاف سازشوں اور جنگی تیاریوں میں منہمک رہا۔ یہ آگ دبی رہی، صلح کے زمانے میں ان چنگاریوں نے شعلہ بننا شروع کیا۔ بکر کے قبیلے کو انتقام کا سودا سمایا۔ انھوں نے قریش سے مدد چاہی کھلم کھلا تو قریش کی ہمت نہ ہوئی۔ معاہدے کے خلاف بکر کی مدد کرتے اور مسلمانوں سے جنگ کا خطرہ مول لیتے۔ البتہ انھوں نے خفیہ طور پر اسلحہ، شب خون اور آدمیوں سے ان کی اعانت شروع کر دی۔ لڑائی جھگڑا ایسی چیز نہیں، جس کو پس پردہ رکھا جا سکے۔ قریش کی بدعہدی کا راز طشت از بام ہو کر رہا۔ خزاعہ کے لوگ آپؐ کی خدمت میں فریادی آئے۔ ادھر مکے والوں کو فکر ہوئی، راز کھل گیا تو کیا ہو گا۔ انھوں نے ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور معاہدے کی تجدید کی خواہش کی۔ تجدید تو محض بہانہ تھی۔ یہ عندیہ لینا تھا کہ خزاعہ کی فریاد کا مدینے پر کیا اثر ہوا۔

اچھا تو یہ شخص مدینے سے آ رہا ہے

راستے میں جو نظر آتا ابو سفیان کو خزاعہ کا قاصد ہی دکھائی دیتا۔ آخر ایک آدمی سچ مچ راہ میں مل ہی گیا۔ انھوں نے پوچھا کہو بھائی کہاں سے آ رہے ہو۔ خزاعہ کے قبیلے سے ہو نا؟ مدینے گئے ہو گے، وہ انھیں پہچان گیا۔ آئیں، بائیں، شائیں جواب دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ انھیں کہاں چین۔ اس کے اونٹ کی مینگنیوں کو مسل کے دیکھا، کھجور کی گٹھلی نکلی۔ اچھا تو یہ شخص ضرور مدینے سے آ رہا ہے۔ ان کا اندیشہ سچ نکلا۔ مگر وہاں تک تو جانا ہی تھا، نتیجہ کچھ ہو۔

تم اس کمبل پر بیٹھنے کے قابل نہیں

مدینے پہنچے ان کی اپنی بیٹی ام حبیبہ مسلمان ہو چکی تھیں۔ اللہ کے دین کے لیے انھوں نے ماں باپ کو چھوڑا۔ گھر بار چھوڑا، حبش کو ہجرت کر گئیں۔ وہاں ان کے شوہر عیسائی ہو گئے ان کو چھوڑا، اب ازواجِ مطہرات میں داخل تھیں۔ برسوں کے بعد باپ کی شکل نظر آئی، جی بھر آیا ہو گا۔ مگر دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت گھر کر چکی تھی۔ وہاں اب کسی دوسرے کی گنجائش نہ تھی۔ ابو سفیان کو آتے دیکھا تو جھٹ وہ کمبل لپیٹ کر الگ رکھ دیا، جس پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے مسکرا کر پوچھا۔ بیٹی تم نے اس کمبل کو کیوں لپیٹ کر الگ رکھا دیا۔ میں قریش کا نامی سردار ہوں یہ کمبل میری نشست کے قابل نہیں اس لیے یا اس وجہ سے کہ میں اس لائق نہیں کہ اس کمبل پر بیٹھنے دیا جاؤں۔ حضرت ام حبیبہ نے جواب دیا۔ تم مشرک ہو پیارے رسولؐ کے کمبل پر تم کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ افسردہ خاطر ہو کر بولے۔ بیٹی تو ہم کو بالکل بھول گئی۔

وہ کیا کرتیں، ان کے نزدیک تو تعلقات کی وہی ایک کسوٹی تھی، جس کی بنا پر رشتے اور قرابت کو پرکھا جا سکتا ہے، جس کی بنا پر نوح علیہ السلام کا فرزند ان کا اپنا بیٹا نہ رہا اور مکے کے نکالے ہوئے مسلمان انصار کے حقیقی بھائیوں سے بڑھ گئے۔

کسی نے سفارش کی حامی نہ بھری

ابو سفیان مدینے میں ایک مسلمان کے پاس گئے۔ ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ بڑی

خوشامدیں کیں، مگر کوئی اس معاملے پر ان سے بات چیت کرنے اور ان کی سفارش کرنے پر راضی نہ ہوا، جب کسی نے حامی نہ بھری تو مکے لوٹ گئے وہ سوچ رہے تھے معاہدے کی خلاف ورزی بہت مہنگی پڑے گی۔ دیکھیے اس کا انجام کیا ہو۔

تیاری شروع ہوگئی

قبیلہ خزاعہ کے بیس بائیس آدمی قریش اور بکر نے مل کر مار ڈالے تھے، ان کی شکایت ہی کے بعد آپؐ نے تیاری شروع کردی تھی۔ راستوں پر پہرے بٹھلا دیے گئے۔ دشمنوں کو مدینے کے بارے میں کوئی خبر نہ ملنے پائے، تیاری کا پتہ نہ چلے۔ قریش والوں کے لیے یہ ایک معمہ تھا۔ اندر اندر کیا ہو رہا ہے۔ معلوم نہ ہوتا، آنے جانے والوں کی ایسی کڑی نگرانی مدینے میں ہوتی تھی کہ کیا مجال ذرا سی بات باہر چلی جائے۔

مجاہدین کا لشکر حرکت میں

آخر کار ۱۰؍رمضان ۸ ہجری (یکم جنوری ۶۳۰ء) کو عصر کی نماز پڑھ کر آپ مدینے سے روانہ ہوئے۔ چلتے وقت آس پاس کے قبیلوں کو اطلاع کردی گئی۔ دس ہزار فوج آپ کے ہمراہ تھی۔ اس میں ایک ہزار کے قریب سوار تھے۔ مکے والوں کو اس لشکر کے حرکت میں آنے کی بالکل اطلاع نہ تھی۔ وہ ابھی تک تاریکی میں تھے۔

شعلوں کا جنگل

ایک رات ابوسفیان اور کچھ ساتھی پتہ لگانے کے لیے نکلے۔ انھوں نے ایک سمت دیکھا آگ کے شعلوں سے سارا ریگ زار روشن ہو رہا ہے۔ وہ بولے یہ خزاعہ کی آگ ہے، جس کے شعلے آسمان تک بلند ہو رہے ہیں۔ ان کی نیت خراب ہے۔ ہم سے لڑنے کا ارادہ ہے اور واقعہ یہ تھا کہ مرالظہران کے مقام پر پہنچ کر آپؐ نے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ ہر شخص اپنے لیے الگ آگ روشن کرے۔ اس طرح دشمنوں پر دھاک بیٹھ جائے گی۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھی انھی شعلوں کو بلند ہوتے دیکھ کر لرز گئے تھے۔ انھوں نے کہا اتنا بڑا لشکر اور بل کھاتے ہوئے شعلوں کا ایسا جنگل تو میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔

اپنے دستور کے مطابق

اپنے دستور کے مطابق آپ نے پورے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر ٹولی کا اپنا جھنڈا تھا، اور دس ہزار کا لشکر ایک سلیقہ، ترتیب اور وقار کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ رات کسی طرح گزری صبح کو مجاہدین کی یہ فوج مکے کی جانب بڑھی۔ آپ کے جھنڈے کا رنگ سیاہ تھا۔ اس کو عقاب کہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی چادر پھاڑ کر بنایا گیا تھا۔

ابوسفیان ایک ٹیلے پر کھڑے تھے

ابوسفیان ایک ٹیلے پر کھڑے تھے۔ دس ہزار مجاہدین کا لشکر ان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ ان میں پہچانی ہوئی صورتیں تھیں۔ جانے ہوئے لوگ تھے۔ بھائی بند، عزیز، رشتے دار، دوست دشمن، سب ہی تھے۔ وہ بھی تھے جو ریت پر لٹائے جاتے تھے، جن کو اللہ کا دین قبول کرنے کے جرم میں سزائیں دی جاتی تھیں۔ وہ بھی تھے جنھوں نے مشرکین مکہ کے کوڑے کھائے تھے۔ وہ بھی تھے جن کو جلتی ہوئی ریت پر گھسیٹا جاتا تھا۔ ریت کی تحریر مٹ گئی۔ لیکن ایمان کا وقار چہروں پر لیے ہوئے وہ اب سامنے سے گزر رہے تھے۔ وہ عمرؓ بھی تھے جن کی قوتِ بازو پر مشرکین کو ناز تھا۔ پھر وحی الٰہی کے پر جلال الفاظ نے انھیں تاریکی سے روشنی میں کھینچ لیا۔ وہ اب کفر کے لیے تیغ بے نیام بنے مکے کی جانب بڑھ رہے تھے۔

علیؓ مرتضیٰ گزرے

حضرت علیؓ مرتضیٰ گزرے، ابوسفیان سوچنے لگے اب سے بہت دنوں پہلے خاندان کے ایک مجمع میں قریش کے ایک نوجوان نے کہا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ تمھارے لیے اس کا پیغام لایا ہوں۔ بتوں کی پوجا چھوڑ دو۔ عبادت کے لائق صرف اس کی ذات ہے، جو اس دنیا کا خالق اور مالک ہے۔ مرنے کے بعد اس کو جواب دینا ہوگا۔ ان سچائیوں پر آسمان و زمین گواہ ہیں۔ کون ہے جو اس کام میں میرا ساتھ دے۔

چھوٹی عمر کا ایک بچہ اٹھا۔ یہ اس نوجوان کا بھائی تھا، اس نے کہا اگرچہ مجھے آشوبِ چشم کی شکایت ہے۔ میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر بھائی جان اس بھلے کام میں آپ کا ساتھ دینے کو میں

تیار ہوں۔ بوڑھے لوگ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ قریش کے عظیم الشان خاندان اور سارے عرب کی متحدہ طاقت کے مقابل یہ نوجوان اور یہ کم سن بچہ، تیز و تند آندھی کے محاذ میں یہ تنکے۔

ابوبکر صدیقؓ گزرے

خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ یہ ابوبکر صدیقؓ گزر رہے تھے۔ وہی تو ہیں، جنھوں نے کعبے کے صحن میں ایک بار اللہ کا نام لیا اور لوگوں نے ان کے ایمان کی قیمت ان کے جسم سے وصول کرلی۔ چہرہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ سہ پہر تک ہوش نہ آیا اور ایک دن وہ بھی آیا کہ رات کے سناٹے میں گھر چھوڑ کر نکلے اور ایسے نکلے کہ برسوں مکے کی وادی اور پہاڑوں کی صورت نہ دیکھ پائے۔

اور سب سے آخر میں

اور سب سے آخر میں اس بھاری فوج کا عالی مرتبہ کماندار اپنے ساتھ اپنے غلام کے بیٹے کو بٹھلائے ہوئے ایک معمولی کجاوے اور بوسیدہ چادر پر۔ وہ فوج جس کی تلواروں کی جھنکار سے دشمنوں کے دل لرز رہے تھے، جس کے جھنڈے کی ہر لہر مشرکین کی نگاہوں کا نور چھینے لیتی تھی۔ جس کے سرداروں کے رجز سے سینوں میں ہنگامہ برپا تھا۔ اس دس ہزار مجاہدوں کی فوج کا کماندار کجاوے پر سر جھکائے اپنے معبود کے حضور گڑگڑا رہا تھا۔ اللّٰھم لا عیش الا عیش الاٰخرۃ (اے معبود زندگی تو بس آخرت کی ہے)۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ ابوسفیان سوچنے لگے۔ یہ وہی نوجوان تو ہے، جس کے چچا سے کہا گیا تھا۔ ہم سے ایک خوش رو اور تنومند جوان لے کر اس کو اپنا بیٹا بنا لو اور بھتیجے کو ہمیں دے دو۔ ہم اسے قتل کرڈالیں گے۔ ایک دن کعبے میں خدا کے حضور سجدے میں پڑا تھا کسی نے اوجھ لا کر اس کی گردن پر ڈال دی اور معصوم بیٹی کے علاوہ کوئی اس کی مدد کو نہ پہنچا۔ بازاروں اور میلوں میں بچے اس کے پیچھے شور کرتے۔ بوڑھے اس کو دیوانہ اور شاعر اور جادوگر کہہ کر پکارتے۔ ابوجہل اور ابولہب تو اس کے خون کے پیاسے تھے۔ ابوطالب کی گھاٹی اور اس کا بائیکاٹ پھر طائف کی گلیاں اور وہ پتھراؤ۔ اس کی لہولہان ایڑیاں، چچا چل بسے، وفادار بیوی اس دنیا سے سدھار گئی۔ سارے سہارے ٹوٹ گئے، مگر نوجوان اپنی راہ چلتا رہا۔ اپنا فرض ادا کرتا رہا اور ایک صبح جب دشمنوں نے اس کا گھر گھیر رکھا تھا اس نے اپنے وطن کو بھی اللہ کے لیے چھوڑ دیا۔ اس نے مکے کی طرف مڑ کر دیکھا ''اے

روئے زمین پر مجھے سب سے زیادہ عزیز شہر! تیرے باشندے مجھے رہنے نہیں دیتے، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ لیکن اس کے دل میں وہ عزم بھی تھا جو اللہ نے اس کو اپنا نبی برحق بنا کر اس کی فطرت میں ودیعت کیا تھا۔ بدر کے میدان میں تین سو تیرہ مجاہدین کا سردار آج مکے میں دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ داخل ہو رہا تھا۔

ابوسفیان اس ٹیلے پر کھڑے تھے۔ بوقبیس کی چوٹیاں سر اٹھائے حیرت سے تک رہی تھیں۔ دو ساتھی ایک غار سے نکلے، ان کے پیچھے ان کا غلام تھا، وسیع ریگستان میں ان کا غبار اٹھ کر بیٹھ گیا تھا، وہ اُفق کے پار چھپ گئے اور آج آٹھ سال بعد۔

وہ پکار جسے کوہِ صفا نے اب تک اپنے سینے میں محفوظ رکھا تھا۔ اس سے وادی اور پہاڑ گونج رہے تھے۔ سچائیاں پھیل کر رہیں۔ روشنی اندھیرے پر غالب آئی۔ حق وباطل کی کش مکش سے حق فتح یاب ہو کر نکلا۔

ہم نے پہل نہیں کی

آپ نے سرداران فوج کو ممانعت کر دی تھی۔ خبردار جو تم سے مزاحم نہ ہو، اس پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جس حصہ شہر سے داخل ہوئے وہاں لوگوں نے تیروں کی بوچھار شروع کر دی۔ مجبوراً انھیں اور ان کے ساتھیوں کو جواب دینا پڑا۔ حضرت ابوسفیان بیچ میں پڑے تو معاملہ رفع دفع ہوا۔ انھوں نے بتلایا جو اپنا دروازہ بند کر لے وہ محفوظ ہے، جو میرے گھر میں پناہ لے اس کو امان ہے۔ جو حرم میں داخل ہو جائے اسے کوئی خطرہ نہیں، آپ کو اس الجھاؤ کی خبر ملی تو حضرت خالد سے باز پرس کی۔ انھوں نے کہا ہماری طرف سے پہل نہیں ہوئی۔ وہ لوگ خود بھڑ پڑے۔ ہم کیا کرتے، آپ نے فرمایا ''اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔''

پندرہ آدمی تھے جنھیں آپ نے امان نہیں دی تھی۔ ان میں سے تین مرد اور ایک عورت قتل کر دی گئی۔ باقی مسلمان ہو گئے، انھیں چھوڑ دیا گیا۔

سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ خاک سے بنے تھے

مکے میں داخل ہونے کے بعد آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ وہ کعبے کے کلید بردار تھے۔ ان سے کنجی لی اور اندر داخل ہوئے۔ پھر دروازے پر کھڑے ہو کر یوں خطاب فرمایا:

”اللہ پاک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اکیلے سارے جتھوں کو شکست دی۔ ہر قسم کی فخر اور خون اور مال کے دعوے میرے قدموں کے نیچے ہیں۔۔۔ اے قریش والو! تمھارے جاہلیت کے گھمنڈ اور نسب کے فخر کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا۔ تمام آدمی آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ خاک سے بنے تھے۔“

جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو

وہ لوگ جنھوں نے اسلام اور خود سرورِ عالم ﷺ کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ مغلوب اور خوف زدہ سامنے کھڑے تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا ”کیا سمجھتے ہو۔ میں تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟“ انھوں نے جواب دیا۔ ”آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادرزادے ہیں۔“ ارشاد ہوا ”جاؤ، تم سب لوگ آزاد ہو۔“

اس کے بعد آپؐ نے کعبے کی کنجی عثمان بن طلحہؓ کو واپس کر دی جو آج تک انھیں کے خاندان میں چلی آتی ہے۔

شرک کا خاتمہ

مکے کی فتح سے ایک نئے زمانے کا آغاز ہوا۔ سارے عرب کو قریش کے طرزِ عمل کا انتظار تھا، وہ اس انتظار میں تھا دیکھیں قریش کے لوگ کیا کرتے ہیں۔ قریش کا اسلام لانا تمام عرب میں شرک و بت پرستی کا خاتمہ تھا۔ کعبے کے بتوں کے ساتھ ہی عرب کے سارے بت خانے خاک میں مل گئے۔ آپؐ مکے میں ۱۸ دن مقیم رہے۔

بوڑھے میاںؓ

سارے انتظامات سے فرصت ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر گئے۔ باپ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ آنکھوں سے سجھائی نہ دیتا تھا۔ ہاتھ پکڑ کر آگے آگے چلے، سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپؐ نے فرمایا ”بوڑھے میاں کو کیوں تکلیف دی۔ میں وہیں آ جاتا۔“ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ”یہ کیسے ممکن تھا انھیں تو آپ کے پاس آنا ہی چاہیے تھا۔“ سامنے لا کر بٹھلا دیا۔ آپؐ نے بڑی محبت سے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا، اور فرمایا اللہ کے دین میں داخل

ہو جایئے خدا آپ کو سلامتی بخشے گا۔'' بڑے میاں مسلمان ہو گئے۔ پیارے رسولؐ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دی۔ بوڑھے میاں کا نام ابو قحافہ عثمان بن عامرؓ تھا۔ انھوں نے ۱۴ہجری میں ۹۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔

یہ دھاک کثرتِ تعداد کی نہ تھی

خندق کی لڑائی ہی نے مشرکین مکہ کے حوصلے پست کر دیے تھے اور اب ان میں مخالفت کا دم خم باقی نہ رہا تھا، یہ دھاک اب بھی کثرت تعداد کی نہ تھی۔ اس تنظیم کی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے ایک نبی کی ذہانت اور بصیرت کے ساتھ فرمائی۔ اس جذبے کی تھی، جس نے اللہ کے حکم پر مرنا جینا سکھلا دیا تھا۔ حدیبیہ کی صلح کے موقعے پر بات چیت میں تندی و تیزی ضروری تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک کر بھی اپنے تیور دکھلائے گئے تھے لیکن دراصل یہ ایک مٹتی ہوئی مخالفت اور بڑھتی ہوئی ذہنی شکست کے آثار تھے۔

فتح مکہ سے پہلے ہی صفا کی پکار سے شروع ہونے والی دشمنی اپنے انجام کو پہنچ کر بے حال ہو چکی تھی۔ اس فتح مکہ کے بعد قریش ہی نہیں، عرب کے باقی تمام قبیلوں کے خم و پیچ نکل گئے۔ ان کی ہمت نہ رہی کہ سچائی اور بھلائی کی طرف بلانے کی اس دعوت کی راہ روک کر کھڑے ہوں، یا اسے مٹانے کے لیے سر جوڑ کر بیٹھیں۔

جوق در جوق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہونے شروع ہوئے

ادھر چند سال جو امن نصیب ہوا اس میں مسلمانوں نے کام بھی خوب کیا۔ اللہ کا دین پھیلانے کی جو سہولت بہم پہنچی اس کو انھوں نے ضائع نہیں کیا۔ سب کے پاس پہنچے، سب جگہ گئے، نرمی سے، حکمت و دانائی سے دین کی باتیں بتلائیں۔ شرک کی خرابیاں سمجھائیں، اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلنے سے ان کی زندگی میں جو کایا پلٹ ہوئی تھی اس کی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں نے خود بھی دیکھا اور پرکھا۔ جوق در جوق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہونے شروع ہوئے۔

مگر ایک قبیلہ تھا

مگر ایک قبیلہ تھا ہوازن کا، اس کے ساتھی طائف کے کچھ قبیلے۔ یہ لوگ مکہ کی فتح کے بعد بھی نرم نہ ہوئے۔ ابھی دم خم باقی تھا، انھیں اپنی طاقت کا اپنے سورما اور جنگ جو ہونے کا بڑا

غرہ تھا۔ آپ مکے کے لیے روانہ ہوئے تب ہی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کی سمت رخ ہے۔ تیاریاں شروع کردی گئیں۔ ایک نوعمر نوجوان کو اپنا سردار بنایا اور ایک بڈھے کو اس کا مشیر کار۔ بڈھا نوجوان کی نہ مانے نوجوان بڈھے کی نہ سنے۔ یہ مسلمان تھوڑے ہی تھے کہ ان کا سردارِ فوج نوجوان ہو یا بڈھا، انصار میں سے ہو یا مہاجر، غلام زادہ ہو یا آزاد، اس کی اطاعت سے انحراف نہ کریں، جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کا مطیع رہے۔ غرض یہ کہ بڈھا کچھ کہتا جوان کچھ ہانکتا، ایک دوسرے کو الزام دیتے، آپ مکے ہی میں تھے کہ خبر ملی حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

حنین کی لڑائی

۶ رشوال ۸ھ سنیچر کے دن (۲۸ رجنوری ۶۳۰ء) آپؐ مکے سے روانہ ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ بارہ ہزار مجاہد تھے۔ دس ہزار وہ جو مدینے سے آئے تھے۔ دو ہزار مکہ فتح ہونے کے بعد شامل ہو گئے۔ زرہیں، تلواریں اور نیزے بھی ضرورت بھر ساتھ تھے اب یہ وہ بے سروساماں اور نہتی فوج نہ تھی جو بدر کے میدان میں قریش کی بھاری فوج کے مقابل اتری تھی۔ آپؐ نے اپنے قاعدے کے مطابق اس فوج کو بھی منظم کیا۔

ممیاتی ہوئی بکریاں، بڑبڑاتے ہوئے اونٹ

ادھر مشرکین کے نوجوان سردار نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ بال بچے، اونٹ، بکریاں اور گھر گرہستی ساتھ رہیں تاکہ لوگ ان کے خیال سے میدان نہ چھوڑیں۔ اگلی صف لڑنے والوں کی تھی۔ اس کے بعد عورتوں اور بچوں کی، ان کے پیچھے بڑبڑاتے ہوئے اونٹ، ممیاتی ہوئی بکریاں اور ڈکارتے ہوئے بیل۔ بڈھا اندھا تھا کوئی سوا سو سال کی عمر ہوگی۔ اس نے کہا یہ کیا قصہ ہے۔ یہ کیا کھڑاگ ساتھ لائے ہو۔ ان سب کو واپس کرو۔ جوان بولا۔ بڑے میاں چپ بھی رہو۔ اتنی عمر آئی، قبر میں پیر لٹکائے ہو۔ پھر بھی موت کا ڈر تمھیں کھائے جاتا ہے۔

اور حنین کی لڑائی میں جب...

حنین کے مقام پر ایک گھاٹی سے نکل کر وادی میں داخل ہو رہے تھے کہ چاروں طرف سے دشمنوں نے تیروں کی بوچھار شروع کردی۔ مسلمانوں نے پامردی سے مقابلہ کیا۔ دشمنوں

کے پیر اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے سوچا آج ہماری تعداد کے سامنے کون ٹک سکتا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ ہوا بدل گئی۔ دنیا نگاہوں میں تنگ نظر آنے لگی۔ وہی ہوا جو اس سے پہلے احد کی لڑائی میں ہوا تھا۔ ساری فوج تتر بتر ہوگئی۔ سوائے سرورِ عالم ﷺ اور ان کے چند جاں نثاروں کے۔ آپؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا۔ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ انھوں نے پکارا تو لوگ پلٹے۔ سو آدمی مجتمع ہوئے اور دوبارہ جو حملہ کیا تو دشمن بری طرح پسپا ہوئے۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

غنیمت میں چھ ہزار عورتیں اور بچے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور کثیر تعداد میں چاندی قبضے میں آئی اور تقسیم کردی گئی۔ ہوازن کا قبیلہ وہی تھا، جس سے آپؐ کی دائی حلیمہ تعلق رکھتی تھیں۔ مسلمانوں نے اپنی خوشی سے ان کے اہل و عیال کو بغیر کسی معاوضے کے واپس کر دیا۔

تبوک

موتہ کی لڑائی کا بدلہ لینے کے لیے عیسائی عربوں کا ایک بڑا لشکر تیار کیا گیا۔ روم کے بادشاہ قیصر سے بھی امداد کی درخواست کی گئی۔ اس نے چالیس ہزار فوج بھیجی۔ ارادہ تھا کہ مدینے پر حملہ کیا جائے۔ اس خبر سے مدینے کے باشندے فکر مند تھے۔ آپؐ نے بھی مقابلے کی تیاری شروع کی۔ یہ زمانہ سخت قحط اور انتہائی گرمی کا تھا اس لیے فوج کی تیاری میں بڑی مشکل پیش آئی۔ پانچویں کالم والے (منافق) لوگوں کو بہکاتے تھے۔ بلا کی گرمی پڑ رہی تھی۔ اس آفت میں کہاں جا رہے ہو۔ پھر بھی آپؐ کے ساتھیوں اور ان میں سے دولت مندوں مثلاً حضرت عثمانؓ کی کوشش سے اس فوج کا ساز و سامان درست ہوا۔ اور آپؐ رجب ۹ ھ میں (ستمبر اکتوبر ۶۳۰ء) تقریباً تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور مقام تبوک پر پہنچ کر قیام فرمایا۔ دس دن تک آپ وہاں مقیم رہے لیکن کوئی فوج مقابلے کے لیے نہ آئی۔ آپؐ واپس مدینے تشریف لائے۔ یہ آخری لڑائی تھی، جس میں آپؐ نے شرکت فرمائی۔

اس فوج کشی کے سلسلے میں جب آپؐ تبوک کے مقام پر پہنچے تو لوگوں نے آکر شکایت کی۔ یہاں پانی نہیں، وضو کیسے کیا جائے، آپؐ نے دعا فرمائی مطلع ابر آلود ہوا، پانی برسا، لوگوں کا کام چلا۔

خدا کی قسم میں وہی جانتا ہوں جو میرا رب مجھے بتلاتا ہے

اسی زمانے میں آپؐ کی اونٹنی کھو گئی۔ ایک منافق بھی ساتھ تھا۔ کہنے لگا، آسمانوں کی تو یہ خبر دیتے ہیں۔ ان کو اتنی سی بات کا پتہ نہیں کہ ان کی اونٹنی کدھر گئی (نعوذ باللہ) لوگوں نے آپؐ سے جا کر کہا۔ آپؐ کا چہرہ جلال نبوت سے سرخ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم میں وہی جانتا ہوں، جو میرا رب مجھے بتلاتا ہے۔ اسی نے مجھ کو بتلایا ہے کہ اونٹنی فلاں وادی میں ہے۔ اس کی نکیل درخت سے الجھ گئی ہے، لوگوں نے جا کر دیکھا، اونٹنی اسی حال میں ملی۔

ابوذرؓ تنہا اٹھو گے

حضرت ابوذرؓ غفاری پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کا اونٹ چل نہ پاتا تھا۔ پیٹھ پر سامان لادے چلے آرہے تھے۔ اونٹ کو چھوڑ دیا۔ دور سے افق کے قریب ایک دھندلی شکل حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ لوگوں نے اشارہ کیا، آپؐ نے فرمایا: ابوذر ہیں، تنہا اس دنیا میں آئے، تنہا ہی جائیں گے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابوذر نے وفات پائی تو بیوی بچوں کے سوا کوئی پاس نہ تھا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے کفن دینے کے بعد جنازہ راہ میں رکھ دینا۔ پہلا قافلہ جو اس راہ سے گزرے اس سے کہنا مجھے دفن کرنے میں تمھاری مدد کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عراق سے ایک قافلے کے ساتھ آرہے تھے۔ دیکھتے کیا ہیں ایک جنازہ بیچ راستے میں رکھا ہوا ہے۔ قریب تھا کہ قافلے کے اونٹ تیزی میں اس پر سے گزر جائیں۔ لڑکا قریب آکر ٹھہر گیا۔ اس نے کہا اے کارواں والو! یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ابوذرؓ ہیں۔ انھیں دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ یہ سننا تھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ بے اختیار رو پڑے۔ تبوک کے مقام کا سارا واقعہ آنکھوں میں پھر گیا۔ سرور عالم ﷺ نے سچ فرمایا تھا۔ ابوذر تنہا چلو گے، تنہا مرو گے اور قیامت کے دن تنہا ہی اٹھائے جاؤ گے۔ اترے اور ان کو دفن کیا۔

آنکھ اشکبار ہے اور دل غمگین پھر بھی

ربیع الاول ۱۰ ہجری میں (جون ۶۳۱ء) آپؐ کے صاحب زادے ابراہیم نے وفات پائی۔ ان پر نزاع کا عالم طاری تھا کہ سرور عالم ﷺ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے کندھے پر سہارا دیتے

ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ آپؐ ہی کی آغوش میں صاحب زادے نے انتقال کیا۔ رحمت عالمؐ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا۔ ''آپؐ تو لوگوں کو رونے سے منع فرماتے ہیں۔ پھر لوگ آپؐ کو اس حال میں دیکھیں گے تو اپنے کو کیسے قابو میں رکھ سکیں گے۔ آنسو تھمے تو آپؐ نے فرمایا۔ یہ رحم کا جذبہ ہے۔ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ ہم لوگوں کو نوحہ اور بین کرنے سے روکتے ہیں۔ مرنے والے کی جانب ایسی خوبیاں منسوب کر کے رونے سے منع کرتے ہیں، جو درحقیقت اس میں نہ پائی جاتی ہوں۔ موت سے کس کو چھٹکارا ہے۔ کچھ آگے گئے بعد والے ان سے جا ملیں گے۔ یہ تسلی نہ ہوتی تو اس سے زیادہ دکھ ہوتا جتنا اب ہے۔ پھر فرمایا: ''بے شک مجھے اس کی جدائی شاق ہے۔ آنکھ اشکبار ہے اور دل غمگین، پھر بھی میرے لبوں پر وہ باتیں نہیں، جو میرے رب کی ناراضگی کا سبب بن جائیں۔''

کسی کی موت سے ایسا نہیں ہوتا

جس دن آپ کے صاحبزادے نے وفات پائی۔ سورج کو گہن لگا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا۔ ان کی موت کے باعث ایسا ہوا۔ اس حادثے پر آفتاب بھی افسردہ خاطر اور ملول ہے۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا ''سورج اور چاند میں گہن لگنا قدرتِ الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، کسی کی موت سے ایسا نہیں ہوتا۔''

حجۃ الوداع

ذی الحجہ ۱۰ھ میں آپؐ نے ہجرت کے بعد اپنا پہلا اور آخری حج فرمایا، اس کو حجۃ الوداع یا رخصتی حج اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے خطبے کی ابتدا میں آپؐ نے اشارہ فرمایا تھا کہ یہ آپؐ کا آخری حج ہے۔

۲۵/ ذی قعدہ کو آپؐ مدینے سے روانہ ہوئے، ۴/ ذی الحجہ کی صبح کو یک شنبہ کے دن آپ مکے میں داخل ہوئے۔ آپ کے ساتھ تقریباً ۹۰۰۰۰ مسلمان حج کے لیے آئے تھے۔ مکے میں اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ یمن سے آنے والے آ ملے۔ اس طرح یہ تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔

دعائے خلیل اور نوید مسیحا

چراغِ ہدایت تقریباً تیئس سال ظلمتوں سے نبرد آزما رہا۔ اب اس کی روشنی سے ہزاروں دیے روشن ہوگئے تھے۔ خدا کا سب سے پہلا گھر کعبہ جس کی دیواریں اٹھاتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی:

''اے رب! میں اپنے اہل وعیال کو اس بے آب وگیاہ سرزمین میں آباد کرتا ہوں تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ تیری بندگی کا نظام رائج کریں۔ اے رب! ان میں ایک رسول بھیج، جو انھیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ ان کو تیری کتاب کا علم اور تیری عطا فرمائی ہوئی حکمت سے بہرہ مند فرمائے۔''

آج ان کی دعا ہزاروں لاکھوں انسانوں کی آرزو بن چکی تھی۔ ان ہاتھوں سے اٹھایا ہوا گھر صحیح معنوں میں اللہ کے دین کا مرکز بن گیا۔ ان کا فرزند جس کو خدا نے منصب نبوت بخشا، ان کی دعا کو کلی شکل میں اپنے ہمراہ لیے اللہ کے گھر کے حج کو وارد ہوا تھا۔ لوگوں کے دل اس کی جانب کھنچے جا رہے تھے۔ ہزاروں انسانوں کے اس مجمعے کی نگاہ ودل کا تنہا مرکز اس کی ذات تھی، جس نے اللہ کی مدد سے لات وہبل کے سامنے جھکنے والی ان پیشانیوں کو خدائے واحد کے سامنے جھکا دیا۔

اس موقعے پر آپؐ نے ایک خطبہ دیا۔ یہ خطبہ بہت برمحل اور عرب وقریش میں رائج بہت سے معاملات پر اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہی نہیں، اس سمت کی نشان دہی بھی کرتا تھا جدھر اللہ کا دین چاہتا ہے کہ ساری انسانیت بلاتفریق رنگ ونسل ووطن سفر کرے۔

سنو اور یاد رکھو

(۱) لوگو! توجہ سے سنو اور یاد رکھو۔ ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے پر اسی طرح حرام ہے، جیسے تم اس دن، اس مہینے اور اس مقام کی عزت وحرمت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمھارے ہر کام کا حساب لے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

(۲) جس طرح تمھارے حقوق عورتوں پر ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے حقوق

تمھارے اوپر ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی کرنا اور مہربانی سے پیش آنا اور ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

(۳) غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، جو خود کھاؤ وہی ان کو بھی کھلانا، جو خود پہنو وہی ان کو پہنانا۔ ان سے کوئی خطا ہو تو درگزر کرنا یا ان کو جدا کر دینا۔ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ ان پر سختی روا نہ رکھنا۔

(۴) نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ عجمی کو عربی پر۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمھارے کسی بھائی کی کوئی چیز تمھارے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ رضامندی سے نہ بخش دے، دیکھو ناانصافی نہ کرنا۔

(۵) میں نے تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے، جس کو اگر تم مضبوط پکڑو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے۔

(۶) لوگو! عمل میں خلوص، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور آپس میں میل جول یہ تین چیزیں وہ ہیں، جو سینے کو پاک رکھتی ہیں۔

(۷) تم کو لازم ہے کہ میرا یہ کلام ان لوگوں تک پہنچا دو، جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ کیوں کہ بہت سے لوگ دوسروں سے سن کر بات کو زیادہ یاد رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ جتنا وہ اپنے کانوں سے سنی ہوئی باتوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔

اے اللہ تو شاہد رَہ

اس کے بعد آپؐ نے مجمعے سے دریافت فرمایا۔ قیامت کے دن اللہ پاک تم سے دریافت کرے گا، میں نے اس کے احکام تم تک پہنچائے یا نہیں۔ تم لوگ اس کا کیا جواب دو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا ''اللہ کے پیارے رسولؐ! ہم لوگ گواہ ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیے اور رسالت کا فرض ادا کر دیا۔''

یہ سن کر آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھائے اور تین بار فرمایا: ''اے اللہ تو شاہد رہ۔''

اسی دن قرآن نازل ہونے کا سلسلہ ختم ہوا۔ اس کی تمام آیتیں اور سورتیں مرتب ہو چکی تھیں اور بہت سے آپؐ کے ساتھی (صحابہ) قرآن کے حافظ تھے۔

وفات

۱۲ر ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ (۸ر جون ۶۳۲ء) کو شام کے وقت چاند کے حساب سے ۶۳ سال کی عمر میں آپؐ نے وفات پائی۔ بیماری کے زمانے میں ایک روز منبر پر تشریف لائے اور فرمایا:

"اے مہاجرین! انصار کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ لوگ تعداد میں بڑھتے جارہے ہیں اور انصار اُسی حالت میں ہیں، یہی لوگ میرے ابتدائی حامی ہیں۔ انھیں کے یہاں میں نے پناہ لی۔ ان میں سے جو نیک ہو اس کے اوپر احسان کرنا اور جو خطا کار ہو، اس سے درگزر کرنا۔ میرے اہلِ بیت کی حرمت کا بھی خیال رکھنا اور راہِ تقویٰ پر ثابت قدم رہنا۔"

مسلمانوں کے عام اجتماع سے یہ آپ کا آخری خطاب تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

اقوال و عادات

آپ صاف ستھرے تھے

صفائی ایمان کا جزو ہے۔ چاہیے کہ ہمارا جسم بھی صاف ہو اور کپڑے بھی۔ اسی لیے غسل اور وضو فرض ہے۔ پیارے رسول ﷺ نے مسواک کرنے، دانت اور منہ کی صفائی کی تاکید کی ہے۔ آپؐ خوشبو لگاتے تھے۔ بالوں اور داڑھی میں کنگھی کرتے تھے۔ جھاڑو اپنے ہاتھ سے دیتے تھے۔ صفائی کا اتنا خیال تھا۔

آپ بیہودہ اور بیکار گفتگو نہ فرماتے

ہم کو بھی چاہیے کہ بیہودہ باتوں، گالی گلوج، بے ضرورت گفتگو سے بچیں۔ ہماری تحریروں، خطبوں اور مضمونوں کو بھی اس برائی سے پاک ہونا چاہیے۔

کسی کی بات نہ کاٹتے تھے

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ دوسرا باتیں کر رہا ہے اس کی بات ختم نہیں ہوئی جھٹ بیچ میں کود پڑے۔ یہ دخل در معقولات اچھی نہیں، مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ بات کرنے والا اپنی بات کہہ لے، تب بولو۔

مجلس میں پیر پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے

جب چار آدمیوں میں بیٹھے ہوں تو یہ بہت برا ہے کہ پیر پھیلا کر بیٹھا جائے۔ کسی نہ کسی طرف تو تمھارے پیر ہوں گے ہی اور نہ بھی ہوں تو یہ سلیقے اور تہذیب کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیارے رسولؐ کبھی ایسا نہ کرتے تھے۔

آخری صف میں بیٹھتے

جلسوں اور اجتماع میں بعض لوگ دیر میں آنے کے باوجود گردنیں پھلانگتے، دھکے دیتے، اگلی صف میں گھس پل کر جا بیٹھتے ہیں۔ یہ بڑی بدتمیزی ہے۔ ایسا کرنے میں لوگ اپنی شان سمجھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ پچھلی صفوں میں بیٹھنا بے عزتی کی بات ہے۔ یہ ناسمجھی ہے، جہاں جگہ ہو وہیں بیٹھ جاؤ۔ تمھاری وجہ سے دوسروں کو زحمت نہ ہو، جس جگہ صفیں ختم ہوتی ہوں، وہاں بیٹھنا شان کے خلاف نہیں۔ انسانیت اور تمیز داری ہے۔ پیارے رسولؐ ایسا ہی کرتے تھے۔ ہم کو بھی یوں ہی کرنا چاہیے۔

اپنا کام خود کر لیتے تھے

اپنے جوتے گانٹھ لیتے، کپڑوں میں پیوند خود لگاتے، ضرورت کی چیزیں بازار سے آپ لاتے۔ گھر میں جھاڑو خود دے لیتے۔ اپنا کام آپ کرنے سے اپنی ذات پر بھروسہ پیدا ہوتا ہے۔ واقفیت بڑھتی ہے۔ مشکلات پر قابو پانے کی عادت پڑتی ہے۔ سوجھ بوجھ میں اضافہ پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا، جب کوئی کام کرو تو اس کو ٹھیک سے کرو۔ ہم کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ آخر آپؐ ہی کی زندگی تو ہمارے لیے نمونہ ہے۔

مستقل مزاج اور ثابت قدم تھے

کافروں نے کتنا ستایا، کیسے کیسے لالچ دیے، کس کس طرح اُمنڈ اُمنڈ کر آئے، مگر آپؐ اپنا فرض ادا کرنے سے باز نہ آئے اور آخر کار سارے عرب کو آپؐ کے عزم و استقلال کے سامنے جھکنا پڑا۔ ہم کو بھی چاہیے کہ فرض کی راہ میں کسی مشکل، کسی مشقت اور کسی پریشانی کی پروا نہ کریں۔ اچھے بنیں اور بنائیں، جاگیں اور جگائیں، ہم کو کامیابی ضرور ہو گی۔

تلوار نہیں، ان کا ضمیر آواز دیتا تھا، ان کی عقل گواہی دیتی تھی

لڑائیاں تو سال چھ مہینے میں ایک دو ہو جاتی تھیں، ان کے ساتھ سدھار کا کام بھی زوروں پر تھا۔ ان لڑائیوں کی وجہ سے نہیں۔ نئے دین کے ماننے والوں کی بدلی ہوئی زندگی دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے تھے۔ مسلمانوں کا رہن سہن، میل محبت، سلیقہ، تمیز، اپنی آبادی کا انتظام، بندوبست، باقاعدگی اور اصول کا پاس لحاظ، نیکی بھلائی، سچائی اور ایمان داری اُن سب باتوں کو لوگ دیکھتے تھے، پرکھتے تھے۔ مدینے آکر وہاں کے رنگ ڈھنگ اور انتظام کی خوبی کی جانچ کرتے اور زندگی کے اس نئے خاکے کی جانب ان کا دل کھنچا جاتا۔ ان کا ضمیر اندر سے کہتا، ان کی عقل گواہی دیتی۔ یہی ٹھیک ہے، ایسا ہی ہونا چاہیے۔

لڑائیاں ہوئیں اور ان میں ہزار بارہ سو آدمی مارے بھی گئے۔ مگر حدیبیہ کی صلح کے زمانے میں جتنے آدمی مسلمان ہوئے، اس سے پہلے نہیں ہوئے۔ امن کے زمانے میں لوگوں کو دیکھنے پرکھنے کا اور مسلمانوں کو اپنی بات کہنے کا موقع ملا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا۔

اسلام سے پہلے

ریت کے بڑے بڑے سمندروں نے ساری دنیا سے عرب دیس کو جدا کر رکھا تھا۔ عرب سوداگر اونٹ پر مہینوں کی راہ طے کر کے ان ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے۔ مگر یہ تعلق صرف مال کی خرید و فروخت کی حد تک تھا۔ خود عربوں میں کوئی اونچا رہن سہن نہ تھا۔ نہ کوئی مدرسہ تھا، نہ کتب خانہ، نہ لوگوں میں تعلیم کا چرچا تھا۔

وہاں کوئی باقاعدہ حکومت بھی نہ تھی۔ کوئی قانون بھی نہ تھا، ہر قبیلہ اپنی جگہ خود مختار تھا۔ آزادی کے ساتھ لوٹ مار ہوتی تھی اور آئے دن خوں ریز لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ آدمی کی جان کوئی قیمت ہی نہ رکھتی تھی۔ جس کا جس پر بس چلتا، اسے مار ڈالتا۔ اور اس کے مال پر قبضہ کر لیتا۔ اخلاق اور تہذیب کی ان کو ہوا تک نہ لگی تھی۔ بدکاری اور شراب خوری اور جوئے بازی کا بازار گرم تھا۔

جہالت کی کیفیت یہ تھی کہ ساری قوم پتھر کے بتوں کو پوجتی تھی۔ راستہ چلتے میں کوئی اچھا سا چکنا پتھر مل جاتا، اسی کو سامنے رکھ کر پرستش کر لیتے تھے۔ یعنی جو گردنیں کسی کے سامنے نہ جھکتی تھیں وہ پتھروں کے سامنے جھک جاتی تھیں اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ پتھر ان کی حاجت روائی کریں گے۔

اسلام کے بعد

ملک کا انتظام ہی نہیں بدلا۔ ذہنیتیں بدل گئیں۔ سوچنے کا طریقہ بدل گیا۔ زندگی کا ڈھنگ بدل گیا۔ اخلاق کی دنیا بدل گئی۔ عادات وخصائل بدل گئے۔ ایک پوری قوم کی کایا پلٹ کر رہ گئی۔ جو زنا کرنے والے تھے وہ عورتوں کی آبرو کے محافظ بن گئے۔ جو شرابی تھے وہ شراب بندی تحریک کے علمبردار بن گئے، جو چور اور اُچکے تھے وہ ایسے دیانت دار ہو گئے کہ دوستوں کے گھر کھانا کھانے میں ان کو اس بنا پر سوچ ہو جاتا تھا کہ کہیں ایسا کرنا ناجائز نہ ہو۔ یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ کو قرآن میں انھیں اطمینان دلانا پڑا، جو ڈاکو اور لٹیرے تھے، وہ دین دار بن گئے۔ جن کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، جو اپنی بیٹیوں کو آپ اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کر دیتے تھے، ان کے اندر جان کا اتنا احترام پیدا ہو گیا کہ کسی مرغ کو بھی بے رحمی سے قتل ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ ان میں وہ شہری پیدا ہوئے، جن کے اندر ذمے داری کا احساس اتنا زبردست تھا کہ جن جرموں کی سزا ہاتھ کاٹنے اور پتھر مار کر ہلاک کر دینے کی صورت میں دی جاتی تھی ان کا اقبال خود آ کر کرتے تھے اور تقاضا کرتے تھے کہ سزا دے کر انھیں گناہ سے پاک کر دیا جائے تاکہ چور یا زنا کرنے والے کی حیثیت سے خدا کی عدالت میں نہ پیش ہوں۔ ان میں وہ سپاہی پیدا ہوئے، جو تنخواہ لے کر نہیں لڑتے تھے بلکہ اس عقیدے اور اصول کی خاطر جس پر وہ ایمان لائے تھے، اپنے خرچ سے میدانِ جنگ میں جاتے اور پھر جو مالِ غنیمت ہاتھ لگتا وہ سارا کا سارا سپہ سالار کے سامنے رکھ دیتے۔

اب بھی ایسا ہو سکتا ہے اگر... ایمان ویقین ہو۔ دین کا علم اور اس کی سوجھ بوجھ ہو۔ پختہ ارادہ اور قوتِ فیصلہ ہو۔ ذاتی فائدے اور شخصی امنگوں کی قربانی ہو۔ وہ جواں ہمت لوگ ہوں، جو حق پر ایمان لانے کے بعد اس پر پوری طرح نظر جما دیں۔ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کریں اور دنیا میں خواہ کچھ ہوا کرے وہ اپنے راستے سے ایک انچ نہ ہٹیں۔ عزیزوں اور دوستوں کے چھوٹ جانے کا غم نہ کریں، جو چیز بھی ان کی راہ میں حائل ہو، اسے ہٹا دیں۔ ایسے ہی لوگوں نے پہلے بھی اللہ کا نام اونچا کیا تھا۔ ایسے ہی لوگ آج بھی کریں گے اور یہ کام ایسے ہی لوگوں سے ہو سکتا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

تمت بالخیر

وہ کتابیں جن سے اس مسودے کی ترتیب کے دوران استفادہ کیا گیا ہے

۱- محمد رسول اللہ ﷺ

(تالیف محمد رضا، اشاعت ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء) مطبع حسن البالی الحلبی و شرکاء بمصر

۲- محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ الجزء الاول

(تالیف الشیخ محمد الخضری بک) المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ باول الشارع محمد علی

۳- مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم (تالیف سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

مکتبہ جماعت اسلامی پٹھان کوٹ